ہمدرد

نونہال

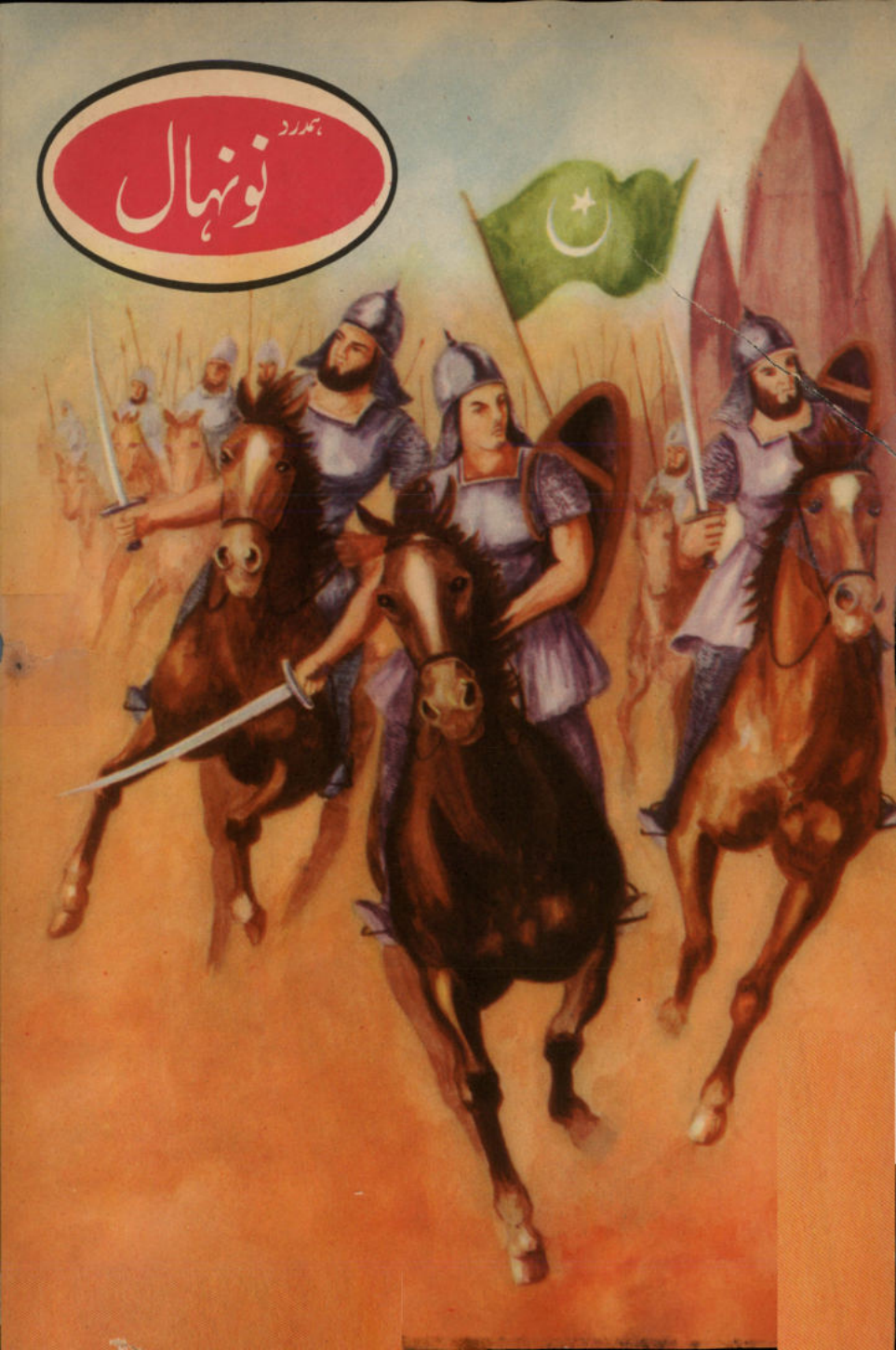

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرائت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے، پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جِلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

اچنبھے کی کوئی بات نہیں

ظاہر ہے کہ آج کل قیمت میں اضافہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے! ہر چیز کی قیمت بڑھ رہی ہے۔ کاغذ کی قیمت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ طباعت کے نرخ بڑھ گئے ہیں۔ کارکنان کی تنخواہوں اور ہاکرز کے کمیشن میں اضافہ ہو گیا ـــــ اور اب ہمدرد نونہال پر ہمدرد فاؤنڈیشن کا نقصان ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس کے باوجود جولائی کا شمارہ حسب سابق ایک رُپے بچھتّر پیسے میں ہی فروخت ہو رہا ہے، لیکن ہم اس بات پر مجبور ہو گئے کہ اگست ۷۷ء کے شمارے سے ہمدرد نونہال کی قیمت میں ۵۰ پیسے فی کاپی اضافہ کر دیا جائے، اس لیے اگست ۷۷ء سے ایک کاپی کی قیمت دو رُپے ۲۵ پیسے اور سالانہ قیمت ۲۵ رُپے ہو گی۔

ہمیں اُمید ہے کہ موجودہ حالات اور ہماری مشکلات کے پیشِ نظر ہمدرد نونہال کے قدردان اس اضافہ کو بخوشی قبول کر لیں گے۔

یہاں یہ وضاحت کر دی جائے تو مناسب ہو گا کہ اس اضافہ کے باوجود ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کو کوئی منافع نہیں ہو گا صرف اتنا ہو گا کہ نقصان میں اضافہ نہیں ہو گا۔

ایجنٹ صاحبان

سے گزارش ہے کہ قیمت میں اضافہ کی وجہ سے اگر وہ اگست کے شمارہ کے لیے اپنے آرڈر میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو ۱۰ جولائی ۷۷ء تک ہمیں مطلع فرما دیں ورنہ جس تعداد میں جولائی کا شمارہ گیا ہے اُسی تعداد میں ان کو اگست کا شمارہ بھی بھیج دیا جائے گا۔

ناظم ہمدرد نونہال، کراچی ۱۸

ٹیلے فون: ادارت: ۶۱۶۰۰۱

نونہال

مجلسِ ادارت

حکیم محمد سعید دہلوی صدرِ مجلس

مسعود احمد برکاتی مدیر

حکیم محمد یٰسین دہلوی مدیر

رجب المرجّب ۱۳۹۷ھ

جولائی ۱۹۷۷ء

جلد: ۲۵ شمارہ ۷

عام شمارہ.....۱ روپیہ ۷۵ پیسے

سالانہ.....۱۸ روپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان)

نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اِس شُمارے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ — جناب حکیم محمد سعید ۳
کائنات اور ہم — جناب علی ناصر زیدی ۵
جُوتے میں کیل (نظم) — جناب محشر بدایونی ۱۱
فاتح سندھ — جناب رشید الدین احمد ۱۲
فقیر کے بھیس میں — جناب احمد خان خلیل ۱۷
دھوئیں کا پیغام — جناب علی اسد ۲۳
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا — جناب ارق و جناب زیدی ۳۱
شاعر لکھنوی — مسعود احمد برکاتی ۳۶
ننھا ذی شان — جناب شاعر لکھنوی ۳۷
انگریز تیس مار خان — جناب مناظر صدیقی ۳۹
شاہ لُو اور پلنگ — جناب معراج ۴۹
شہزادی زرپاش — جناب ندیم عارفی ۵۷
کارٹون — جناب مشتاق ۶۴
قطب شمالی میں ایک رات — ادارہ ۶۶
معلوماتِ عامّہ — جناب عصمت علی پٹیل ۶۹

ادارے نے لکھے

آسمان کے متعلق
کتابیں اور ہمارے بزرگ
معلوماتِ عامّہ ۱۳۳ کے جوابات
شامِ ہمدرد
الفاظ کے معنی
سدا بہار قصّے
حلقۂ دوستی

نونہالوں نے لکھے

خیال کے پھول
اخبار نونہال
نونہال مُصوّر
صحت مند نونہال
بزم نونہال
نونہال ادیب

جاگو جگاؤ

غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ اِنسان چھوٹا ہو یا بڑا، غلطی کا پُتلا ہے۔ بعض لوگ اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اُنھوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی تو وہ حقیر ہو جائیں گے، لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اپنی غلطی تسلیم کرنے سے آدمی چھوٹا یا حقیر نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی عزّت بڑھ جاتی ہے۔ جو لوگ اپنی غلطی مان لیتے ہیں وہ بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ جب آدمی کو احساس ہو جائے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو فوراً اس کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ جو آدمی ہمیں ہماری غلطی پر توجہ دلاتا ہے وہ ہمارا دُشمن نہیں بلکہ دوست ہے، اس لیے ایسے دوستوں کی قدر کرنی چاہیے جو ہماری صرف تعریف ہی نہیں کرتے بلکہ ہماری خامیوں اور کمزوریوں پر بھی ہمیں توجّہ دلاتے ہیں۔ خود بھی اپنے کاموں کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے کیا کام صحیح کیا اور کیا کام غلط۔ اسی طرح ہم آئندہ غلطیوں سے بچ سکتے ہیں، لیکن اگر ہمیں احساس ہی نہ ہو کہ ہم نے غلطی کی ہے تو ہماری اصلاح کبھی نہیں ہوگی۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

خیال کے پھول

● علم سیکھو اور علم کی خاطر سکون اور وقار بھی سیکھو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے ساتھ انکساری سے پیش آؤ۔ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)

مرسلہ: مقصود احمد بھٹی، پشاور

● تلوار کا زخم ہمیشہ بدن پر ہوتا ہے لیکن بُری گفتار کا زخم رُوح پر ہوتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

مرسلہ: آغا منصور حسن، کراچی

● بار بار گناہ کرنا اور بار بار عُذر و توبہ کرتے رہنے سے گناہ تازہ ہوتے رہتے ہیں۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

● کسی فرد یا قوم کی ترقی دوسروں کو نقصان پہنچا کر نہیں ہونی چاہیے۔ (برٹرینڈ رسل)

مرسلہ: سمیع الدین ساجد، سکھر

● خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔ بلکہ وقار اور سلامتی کی بھی ضامن ہے۔ (حکیم لقمان)

مرسلہ: شبانہ احتشام، کراچی

● کسی شخص کو نقصان پہنچانا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے برابر ہے۔ (سقراط)

مرسلہ: شگفتہ احتشام، کراچی

● وقت ضائع کرنے سے پہلے اس بات کا بھی خیال رکھو کہ وقت بھی تمھیں ضائع کر رہا ہے۔ (ارسطو)

مرسلہ: فوزیہ جمیل، مظفر آباد

● اپنے اور دُوسروں کے الفاظ کا اعتبار نہ کرو بلکہ اپنے اور دُوسروں کے عمل کا اعتبار کرو (ٹالسٹائی)

مرسلہ: آنسہ شفیق رحمان، منچن آباد

● چاند کے بغیر رات بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔ (سرسید احمد خان)

مرسلہ: محمد حیات، کراچی

● جو شخص انتقام کے طریقے سوچتا ہے اس کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ (بو علی سینا)

مرسلہ: محمد ناصر اقبال صدیقی، کراچی

● کاہل ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ (نامعلوم)

مرسلہ: ذکی السلام، اسلام آباد

● قرآن ایک ایسا دریچہ ہے جس سے ہم اگلی دُنیا کو دیکھ سکتے ہیں۔ (امام احمدؒ)

مرسلہ: شازیہ اقبال، کیمبل پور

● غصہ ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بُجھا دیتی ہے۔ (کنفیوشس)

مرسلہ: محمد مبارک شاہ، راولپنڈی

● حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کی طرف اس وقت آتا ہے جب ساری دُنیا آپ کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ (نامعلوم)

مرسلہ: ارشد اشرف، قلعہ سوبھا سنگھ

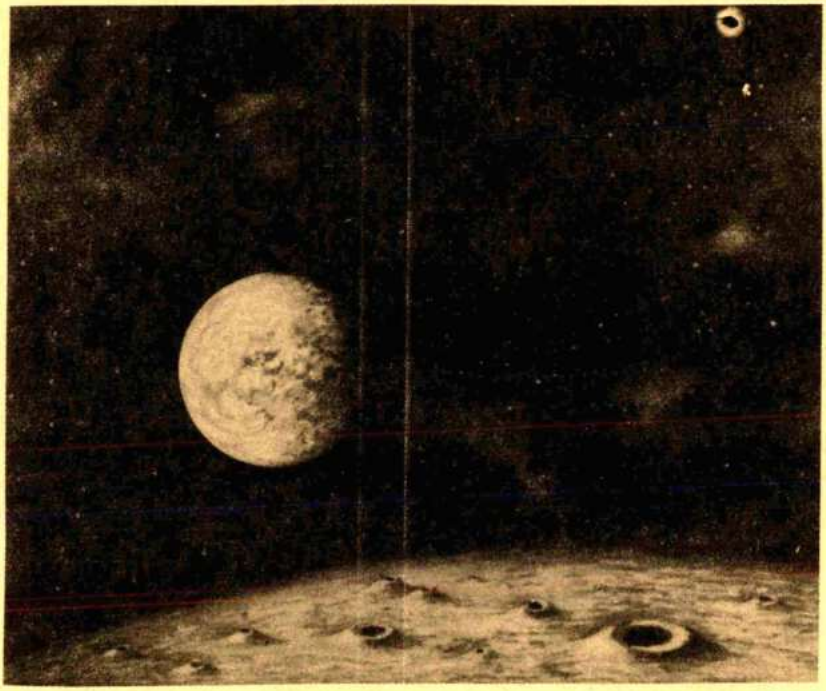

کائنات اور ہم

علی ناصر زیدی

آپ میں سے اکثر ہم سے یہ سوال پوچھتے ہیں کہ کائنات کیا ہے، آسمان کیا ہے، وہ نیلا کیوں نظر آتا ہے اور اتنی بڑی کائنات میں ہم اور ہماری زمین کہاں ہیں؟ یہ سب بڑے دل چسپ سوالات ہیں۔ تمام ذہین بچے ان چیزوں پر غور کرتے ہیں، اس لیے مختصر طور پر آج ہم آپ کو یہ سب کچھ سمجھاتے ہیں۔

آسمان صاف ہو تو رات کے وقت اتنے ستارے نظر آتے ہیں کہ انسان انھیں شمار نہیں کر سکتا۔ دُوربین استعمال کیجیے تو اور بھی زیادہ ستارے نظر آتے ہیں۔ آپ اکثر سوچتے ہوں گے ان ستاروں کا سلسلہ کہیں ختم بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ صرف آپ ہی یہ بات نہیں سوچتے، بلکہ

انسان جب سے پیدا ہوا ہے اُس وقت سے ان سوالات پر غور کر رہا ہے۔

کائنات کی سیدھی سادی تعریف یہ ہے کہ سورج، سیاروں اور ستاروں کا یہ لمبا چوڑا سلسلہ جو ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے کائنات ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوگی۔ انسان کے علم نے جیسے جیسے ترقی کی اور جیسے جیسے اسے بہتر آلات میسّر آئے اُس نے زمین آسمان کے متعلق نئی باتیں معلوم کیں۔ ستاروں کا علم "فلکیات" کہلاتا ہے۔ قدیم عرب اس کے ماہر تھے۔ مسلمانوں نے اس علم میں اتنی ترقی کی کہ مغربی ملکوں کے ماہرین نے اُن سے بہت کچھ سیکھا۔ دوربین نے انسان کو نئی آنکھیں عطا کیں۔ اس نے بہت سی نئی باتیں معلوم کیں، ورنہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ لوگ زمین کو گول کے بجائے چپٹا سمجھتے تھے۔ وہ یہ بھی یقین کرتے تھے کہ زمین ایک جگہ ٹھیری ہوئی ہے، حرکت نہیں کرتی بلکہ سورج اس کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ وہ زمین کو ساری کائنات کا مرکز مانتے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں سال یوں ہی گزر گئے۔

آخر کچھ لوگ ایسے آئے جنھوں نے ان پُرانے اور غلط خیالات کی مخالفت کی اور بڑی مشکل سے عوام کو یہ یقین دلایا کہ ہماری زمین ساری کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ وہ تو ایک معمولی سیّارہ ہے جو مستقل طور پر سورج کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔

یہ مان لینے کے باوجود آسمان کی حقیقت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ زیادہ تر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ آسمان تو ایک گنبد ہے اور تارے اس میں موتیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ آج بھی کچھ لوگ یہی مانتے ہیں، لیکن اگر آپ سائنس داں سے پوچھیں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ آسمان کوئی ٹھوس گنبد نہیں ہے، بلکہ ہماری نظر کی حد ہے۔ اس کی رنگت نیلی محض اس لیے دکھائی دیتی ہے کہ سورج کی شعاعیں ہَوا کے ذرّات سے ٹکرا کر اوپر واپس جاتی ہیں تو مِل جل کر ہمیں یہ تاثر دیتی ہیں۔ نیلے رنگ کی شعاعوں میں یہ صفت ہے کہ وہ ذرّات سے ٹکرا کر واپس ہو جاتی ہیں۔ یہی نیلی شعاعیں بے شمار تعداد میں جمع ہو کر آسمان کی چادر بن جاتی ہیں۔

اب تو انسان چاند پر پہنچ گیا ہے۔ اگر آپ چاند پر کھڑے ہو کر اُوپر نظر دوڑائیں تو آسمان نیلے کے بجائے سیاہ نظر آئے گا، کیوں کہ چاند پر ہَوا نہیں اور وہ ذرّات بھی نہیں جن سے ٹکرا کر سورج کی شعاعیں نیلی رنگت پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر آپ بلندی پر اُڑ رہے ہوں اور ہوائی جہاز کی کھڑکی سے آسمان کی طرف دیکھیں تب بھی وہ سیاہی مائل نظر آئے گا۔ پس یاد رکھیے آسمان کوئی

ٹھوس چیز نہیں ہے اور ستارے بھی کوئی پتھر یا نگینے نہیں ہیں کہ انھیں کسی چھت میں جڑ دیا جائے۔
یہ تو ہے آسمان کی حقیقت۔ اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ ستارے اور اُن کے جھرمٹ کیا ہیں؟ آپ کو یہ پڑھ کر تعجب ہوگا کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے آسمان اور اس کے تاروں کو پہچاننے کی کوشش کی وہ زیادہ تر گلہ بان تھے، یعنی اپنے جانوروں کے ریوڑ چراتے تھے۔ جنگل میں ہی رات پڑ جاتی تھی تو وقت کا اندازہ لگانے کے لیے وہ آسمان کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ستاروں کی چمک کے مطابق ان کے نام رکھے جو آج تک اسی طرح چلے آرہے ہیں۔

ستاروں کے مجموعے "جھرمٹ" کہلاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی شکل کچھ دیوتاؤں، بہادروں اور بعض جانوروں سے ملتی جلتی تھی۔ ان کے نام جانوروں کے ناموں پر رکھ دیے گئے۔ آسمان پر آج بھی وہی شکلیں اسی طرح نظر آتی ہیں، لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ ستارے نہ تو دیوتا ہیں اور نہ جانور۔ وہ تو اپنی اپنی جگہ بہت بڑے بڑے سورج ہیں۔ ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے اور چوں کہ وہ ہم سے بہت قریب ہے، اس لیے وہ اتنا روشن اور گرم معلوم ہوتا ہے۔ ہم سے اس کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے، لیکن سورج اتنا گرم ہے کہ اتنے فاصلے کے باوجود گرمیوں کے موسم میں ہماری زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔

پرانے لوگوں نے اپنی آسانی کے لیے آسمان کو بارہ حصّوں میں تقسیم کر لیا اور ہر حصّے کا نام "بُرج" رکھ لیا۔ انھوں نے ستاروں کے ایسے جھرمٹ تلاش کر لیے جو شکل میں ریچھ، شیر، بیل اور بچھو سے ملتے جلتے تھے۔ اس طرح آسمان پر "بُرجِ اَسَد"، "بُرجِ ثور" اور "بُرجِ عقرب" وغیرہ وجود میں آئے جو اَب بھی جنتریوں میں نظر آتے ہیں، لیکن سب جانتے ہیں کہ آسمان پر نہ شیر ہے، نہ بیل اور نہ بچھو۔

تمام ستارے ایک جیسے نہیں ہیں۔ کچھ چھوٹے ہیں کچھ بڑے۔ کچھ قریب ہیں کچھ دُور اور ان کے رنگ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض ستارے ہمارے سورج کے مقابلے میں ہزاروں گنے زیادہ بڑے ہیں اور بعض اتنے چھوٹے ہیں کہ ہماری زمین ان کے مقابلے میں بڑی ہے۔ ایک بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ ستارہ خود چمکتا ہے، کیوں کہ وہ بے حد روشن اور گرم ہوتا ہے۔ سیارہ خود نہیں چمکتا، وہ سورج کی روشنی کو واپس کر کے چمکتا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا سورج

ستارہ ہے، زمین ایک سیّارہ ہے۔ مریخ سیّارہ ہے، زہرہ سیّارہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند ہماری زمین کا سیّارہ ہے۔ وہ بھی سورج کی روشنی کو واپس کرتا ہے اور اتنا چمک دار اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

علمِ فلکیات نے دُوربین کی ایجاد کے بعد تیزی سے ترقّی کی۔ دُوربین گیلیلو نے ایجاد کی تھی۔ یہ سائنس داں اٹلی کا باشندہ تھا۔ وہ ۱۵۶۴ء سے ۱۶۴۲ء تک زندہ رہا اور اس نے قدیم خیالات کی مخالفت کی۔ اس کی بنائی ہوئی دُوربین معمولی تھی۔ رفتہ رفتہ اسے ترقّی دی گئی۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی دُوربین کیلی فورنیا کے مقام ماؤنٹ پالومر پر نصب ہے۔ اُس کے شیشے کا قطر دو سو انچ ہے۔

جب ہم طاقت وَر دُوربین سے آسمان کی سیر کرتے ہیں تو کتنے ہی نئے ستارے نظر آتے ہیں۔ دُور بہت دُور بادل جیسے جزیرے بھی نظر آتے ہیں۔ چمک دار بادل جیسے یہ جزیرے اصل میں بے شمار ستاروں کے مجموعے ہیں۔ تمام ستارے بہت دُور ہونے کی وجہ سے ہمیں اتنے مدّھم اور ٹھنڈے معلوم ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ ہم سے اتنے زیادہ دُور ہیں کہ ان کے فاصلے میلوں میں نہیں ناپے جا سکتے۔ ان کے فاصلے ناپنے کے لیے ایک اور اکائی استعمال کی جاتی ہے جسے "نُوری سال" کہتے ہیں۔ اس میں روشنی کی رفتار سے مدد لی جاتی ہے۔ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل طے کرتی ہے۔ اندازہ لگائیے وہ ایک دن میں کتنا سفر کرے گی، ایک ماہ میں کتنا اور ایک سال میں کتنا فاصلہ طے کرے گی۔ روشنی ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے "نوری سال" کہتے ہیں۔

سورج ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے، اس لیے اس کی روشنی کو ہم تک آنے میں ۸ ½ منٹ لگتے ہیں۔ سورج ہم سے قریب ترین ستارہ ہے۔ اس کے بعد جو ستارہ ہم سے قریب ہے اُس کی روشنی کو ہم تک آنے میں ۴ ½ سال لگ جاتے ہیں۔ پھر ایسے ستارے آتے ہیں جن کی روشنی کو ہم تک پہنچنے میں درجنوں، سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں اور اربوں سال لگ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دُور کا کوئی ستارہ آج ختم ہو جائے تو اس کی روشنی آئندہ اربوں سال تک بھی ہم تک پہنچتی رہے گی اور وہ مرجانے کے باوجود زندہ معلوم ہوتا رہے گا۔ ذرا سوچیے کیوں؟

ہم تک اس وقت بعض ایسے ستاروں کی روشنی پہنچ رہی ہے جو اُس وقت رَوانہ ہوئی تھی جب ہماری زمین پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔

آخر میں ستاروں کے متعلق آپ کو یہ بھی بتادیں کہ وہ مرتے بھی ہیں اور نئے ستارے پیدا بھی ہوتے ہیں۔ کائنات میں کسی چیز کو بھی قرار نصیب نہیں ہے۔ ہر شے حرکت کر رہی ہے۔ جب ستاروں کا ایک بادل ایسے ہی کسی دُوسرے بادل کے قریب سے گزرتا ہے تو باہمی کشش کی وجہ سے اُس کا توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ گھڑی کے اسپرنگ کی طرح کھل جاتا ہے۔ کائنات میں بعض بادل آتش بازی کا سماں دکھاتے ہیں اور چکّر کی طرح گھومتے رہتے ہیں جیسے آپ نے شب برات یا کسی شادی بیاہ کے موقع پر دیکھا ہو گا۔ گھومتے گھومتے مادّے کے اس زبردست بادل سے بازو نکل آتے ہیں۔ ایک بازو سے دوسرے بازو کا فاصلہ کئی ہزار نُوری سال ہوتا ہے۔

تقریباً ایک ارب سال گذر جانے کے بعد یہ بازو غائب ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ ستاروں کے جُھرمٹ چمک اٹھتے ہیں۔ یہ ستارے ایک دُوسرے سے کروڑوں اربوں میل دُور ہوتے ہیں۔ ہر ستارے میں جانی پہچانی گیس ہائیڈروجن بھری ہوتی ہے جسے خرچ کر کے وہ چمکتا دمکتا ہے۔ جب گیس ختم ہو جاتی ہے تو ستارہ بھی مر جاتا ہے۔ ایک دن ہمارا سورج بھی مر جائے گا۔ اسی دن قیامت آجائے گی۔

جانوروں کا ٹورنامنٹ

آسٹریلیا میں کیلور کے مقام پر جانوروں کا ایک بین الاقوامی ٹورنامنٹ ہوتا ہے، جس میں لوگ دُور دراز سے جانور بھیجتے ہیں۔ ایک مرتبہ مینڈکوں کا اونچی چھلانگ لگانے کا مقابلہ ہوا۔ کُل ۳۰ مینڈک اس مقابلے میں شریک ہوئے۔ ہوائی کا ایک مینڈک جس کا نام سائڈونڈ چہارم تھا، اوّل آیا اس نے ۱۰ فیٹ ۱۱ انچ اونچی چھلانگ لگائی اور عالمی اعزاز حاصل کیا۔ اس کے مالک کو بے شمار تحفوں کے علاوہ ۳۰۰ ڈالر کی رقم بھی پیش کی گئی۔

مرسلہ: سید وصی الدین، راولپنڈی۔

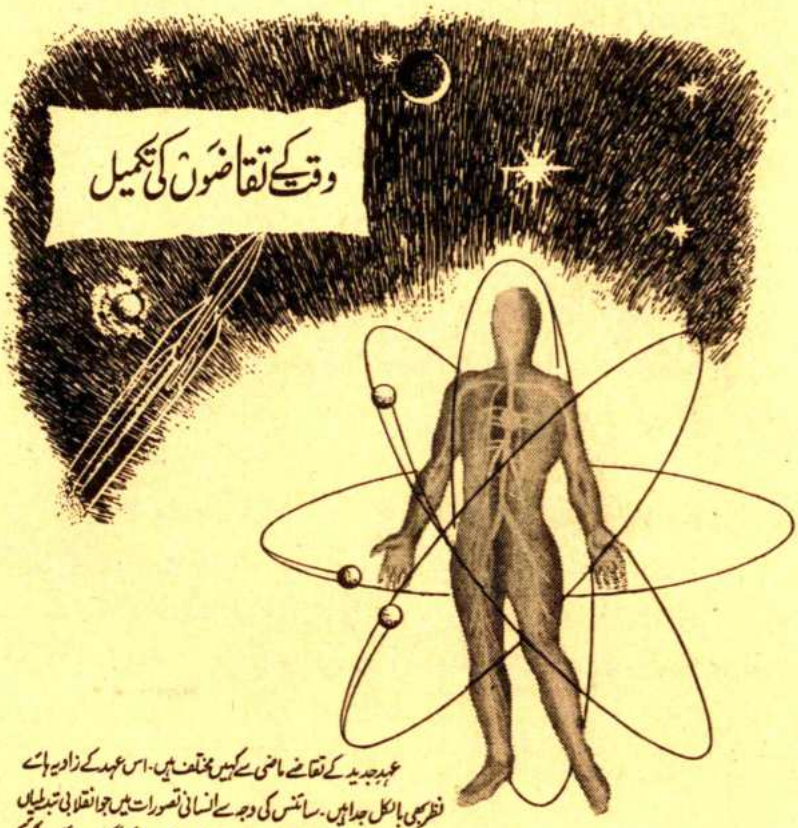

عہدِ جدید کے تقاضے ماضی سے کہیں مختلف ہیں۔ اس عہد کے زاویہ ہائے نظر بھی بالکل جدا ہیں۔ سائنس کی وجہ سے انسانی تصورات میں جو انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے معاشرتی ردِ عمل نے انسان کے لیے گوناگوں مسائل پیدا کر دیے ہیں ہمیں ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔

اِن ہی اہم مسائل میں صحت کا مسئلہ بھی ہے جسے ہمدرد اس دور کے تقاضوں کے مطابق ترقی یافتہ سائنسی طریقوں کی مدد سے حل کرنے کے لیے سرگرم کار ہے

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

جُوتے میں کیل

محشر بدایونی

چلنا مجھ کو آدھے میل
اُبھر اٹھی جُوتے میں کیل

کب تک یوں لنگڑاتا جاؤں
قدم قدم چکراتا جاؤں

بَس پکڑی تو بَس نہ ملی
اور رگڑ سے ناک چھلی

آٹھ بجے اسکول کھُلے
اور اب پونے آٹھ بجے

کیسے پہنچوں گا اسکول
میری اِس میں کیا ہے بھُول

کیل نہ کرتی تنگ اگر
تھا کتنا آسان سفر

گھر کی طرف جانے والی
ہر بَس ہے آدھی خالی

گھر کی طرف ہی لَوٹ چلوں
روڈ پہ کب تک مُونگ دَلوں

فاتح سندھ محمدؐ بن قاسم

سیّد رشید الدین احمد

عزّت و سربلندی کبھی ہمارا حصّہ بھی تھی، شہرت اور نام وری کے آسمان کے ہم بھی تارے تھے۔ آج ہمارا وجود ضرور ہے لیکن اُن ستاروں کی طرح جو آسمان سے ٹوٹ چکے ہیں۔ اسلامی تاریخ ایک ایسا آسمان ہے جو اَن گنت روشن ستاروں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ستارے ہمارے وہ بزرگ ہیں جن کے بے مثال کردار اور ان کے عظیم کارناموں نے دُنیا کو علم اور تہذیب کے سبق سکھائے۔ ان میں سے ہر ستارے کی چمک راستے کا چراغ بن سکتی ہے۔ ان کی روشنی میں ہم ایک بار پھر گم نامی کے اندھیروں سے نکل سکتے ہیں اور نیک نامی کی بلندیوں تک پہنچ کر جگ مگ تارے بن سکتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک روشن ستارہ محمّد بن قاسم بھی ہے۔ بے حد نمایاں، درخشاں اور انوکھی چمک دمک کا مالک۔

شوّال ۸۶ھ (۷۰۶ء) کی بات ہے۔ اُموی خلیفہ عبدالملک کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ولید تخت نشین ہو چکا تھا۔ خاندانِ اُمیّہ میں اُس کا مرتبہ بہت بلند سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اسی کے عہد میں اسلامی حکومت چین سے لے کر یورپ تک وسیع ہو گئی تھی۔ اسی کے زمانے میں فاتح چین قتیبہ بن مسلم، فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر اور فاتح سندھ محمد بن قاسم نے وہ کارنامے انجام دیے جن پر اسلامی تاریخ فخر کرتی رہے گی۔

مسلمانوں کی دھاک دُور دُور تک بیٹھ چکی تھی۔ ہر مُلک کے فرماں روا کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ ولید سے دوستی کرے۔ اس کے نتیجے میں سَراندیپ کے راجا نے بھی بہت سے تحفے اور قیمتی چیزیں ۸ جہازوں میں لدوا کر ولید کے لیے روانہ کیں۔ ان جہازوں پر کچھ عورتیں بھی تھیں جو کعبے شریف کی زیارت اور دارالخلافے کی سیر کو جا رہی تھیں۔ طوفان نے ان

جہازوں کو بے قابو کر کے سندھ کے ساحل دیبل (بھمبور) پر پہنچا دیا۔ دیبل سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی اور راجا داہر کی مملکت میں شامل تھی۔ سمندری ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ان جہازوں کو لوٹ لیا۔ اس گروہ کو لنکا مرہ کہتے تھے اور یہ دیبل ہی کے باشندے تھے۔ مسافروں اور ملّاحوں نے انھیں بہتیرا سمجھایا کہ وہ انھیں گرفتار نہ کریں اور لوٹا ہوا مال لوٹا دیں، لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ اس موقع پر ایک عورت نے چیخ کر کہا، "اے حجّاج، اے حجّاج! میری مدد کو پہنچ۔" حجّاج بن یوسف اُن دنوں مشرقی ممالک کا گورنر تھا۔

حجّاج کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے فوراً راجا داہر کو خط لکھا کہ وہ گرفتار لوگوں کو واپس کر دے اور لوٹے ہوئے مال کا تاوان (جرمانہ) ادا کر دے۔ حجّاج کے اس خط کے جواب میں داہر نے لکھا:

"یہ کام ڈاکوؤں کا ہے جن پر ہمارا بس نہیں چلتا۔"

داہر کا یہ دعوا جھوٹا تھا، کیوں کہ فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ان قیدیوں کو راور کے جیل سے رہائی دِلوائی تھی۔ یہ لوگ ڈاکوؤں کے نہیں خود داہر ہی کے قیدی تھے۔

داہر کے اس خط کے بعد حجّاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے سندھ پر حملے کی اجازت حاصل کر لی اور دو لشکر روانہ کیے مگر انھیں کام یابی حاصل نہیں ہوئی۔ آخر اس نے تیسرا لشکر ۱۷ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

محمد بن قاسم طائف میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد **محمّد بن حکم ثقفی** بصرہ کے گورنر تھے۔ ابھی بیٹا چھوٹا ہی تھا کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ گورنری کے باوجود اُن کے خاندان کی غریبی دُور نہیں ہوئی تھی، اس لیے محمد بن قاسم اعلا تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اس زمانے کے گورنر بھی اپنی ایمان داری کی وجہ سے غریب ہی رہتے تھے۔ ذرا بڑے ہوتے تو روزی کمانے کی خاطر دمشق میں فوج میں بھرتی ہو گئے اور بڑے بڑے جرنیلوں کے ساتھ رہ کر، اُن سے جنگ لڑنے کا فن سیکھا۔ وہ ایک خوب صورت نوجوان تھے۔ قدرت نے انھیں فولاد کا دل و جگر عطا کیا تھا۔ زبان میٹھی اور چہرہ ہنس مکھ تھا۔ بڑوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ قدرت نے انھیں بلند خیالی، پکّے ارادے اور بہادری کے جوہر عطا کیے تھے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

حملے کی ضروری تیاریوں کے بعد ان کا لشکر شیراز (ایران) سے روانہ ہوکر خشکی کے راستے مکران پہنچا۔ بھاری جنگی سامان سمندر کے راستے روانہ کیا گیا۔ مکران کا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ یہاں سے یہ لشکر ارمن بیلہ پہنچا اور اس کو فتح کرکے چند مہینے آرام کرنے کے بعد دیبُل کی طرف چل پڑا۔ محمد بن قاسم مسلسل سفر کرکے ۹۲ھ میں جمعہ کے روز دیبُل پہنچے اور سرزمینِ سندھ پر سب سے پہلے جمعہ کی نماز یہیں ادا کی۔

دیبُل شہر کی آبادی بڑی تھی۔ اس کے چاروں طرف فصیل (حفاظتی دیوار) بنی ہوئی تھی۔ شہر کے بیچ میں ایک عالی شان دیول (مندر) تھا جس کے ایک گنبد پر سبز رنگ کا ایک بہت بڑا ریشمی جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ سندھ کے ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ جب تک یہ جھنڈا لہراتا رہے گا، کوئی طاقت اس شہر پر قبضہ نہ کرسکے گی۔ یہ مندر اتنا بڑا تھا کہ صرف اس کے پجاریوں کی تعداد سات سو تھی۔

محمد بن قاسم کے آنے کی خبر سُن کر سندھی فوجیں شہر کے دروازے بند کرکے بیٹھ گئیں۔ حجّاج کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں نے اپنے مورچے بنا لیے۔ انھوں نے خندقیں کھود کر شہر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مسلمان لشکر جس روز دیبُل پہنچا، ٹھیک اُسی دن ان کے جہاز بھی بھاری جنگی سامان لے کر وہاں پہنچ گئے تھے۔ اس سامان میں پتھر پھینکنے کی مشینیں (منجنیقیں) بھی تھیں۔ انھیں مناسب جگہوں پر نصب کر دیا گیا۔ ان میں سے ایک منجنیق بہت بڑی تھی۔ اس کو چلانے والا ایک شامی تھا۔ وہ ٹھیک نشانے پر پتھر پھینکنے کا ماہر تھا۔ اُدھر عراق اور سندھ کے درمیان ڈاک کی آمد و رفت کا اتنا اچھا انتظام کیا گیا تھا کہ سندھ کا ہر خط گورنر حجّاج کو ساتویں روز بصرہ میں مل جاتا تھا اور ایک ہی ہفتے میں اس کا جواب سندھ پہنچ جاتا تھا۔

دیبُل میں لڑائی شروع ہوگئی اور اس کی رپورٹیں روزانہ حجّاج کو بھیجی جانے لگیں۔ وہ انھیں پڑھ کر محمد بن قاسم کو ضروری ہدایات بھیجا کرتا تھا۔ ایک دن خط پڑھ کر اُس نے جنگ کا نقشہ دیکھا اور محمد بن قاسم کو لکھا کہ وہ سب سے بڑی منجنیق کو، جس کا نام عروس تھا مشرق کی طرف گاڑ کر اور ایک پایہ کم کرکے مندر کے گنبد کو نشانہ بنا کر پتھروں کی بارش کرے۔ محمد بن قاسم نے اس کام پر شام کے ماہر نشانچی کو مقرر کیا جس نے پتھر پھینک

پھینک کر گنبد کو توڑ دیا۔ اس کے ٹوٹتے ہی جھنڈا گر پڑا اور سندھ کی فوجیں آخری مقابلے کے لیے شہر سے باہر آنے پر مجبور ہو گئیں۔ بڑے زور کی جنگ ہوئی۔ داہر کی فوجیں واپس فصیل میں چلی گئیں۔ مسلمانوں نے فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا۔ کوفے کے ایک بہادر نے جس کا نام صَعدی بن خزیمہ تھا، سب سے پہلے مندر پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

دیبل کی فتح کی خبر سن کر راجا داہر بھڑک اُٹھا۔ اس نے محمد بن قاسم کو ایک بڑا سخت خط لکھا اور دھمکی دی کہ اُس کی فوج کے ہاتھی اُسے مَسل کر رکھ دیں گے۔ محمد بن قاسم نے اس کے جواب میں جو خط لکھوایا وہ غور کرنے کے قابل ہے۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سپاہی کیسے ہوتے ہیں؟ ان کے جہاد کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ وہ کیوں تلوار اٹھاتے ہیں؟ اُنھیں فتح کی آس کس سے ہوتی ہے؟ محمد بن قاسم نے داہر کو لکھا:

"تم نے اپنی طاقت، حشمت، ہتھیار، سامان، ہاتھیوں، سوار اور لشکر کے بارے میں لکھا ہے، میں تو یہی سمجھ سکا ہوں کہ ہماری ساری قوت اور مدد کا انحصار خدا کے کرم اور فضل پر ہے۔

اے عاجز! سوار اور ہاتھیوں پر ناز کیسا؟ تم جن گھوڑوں اور سواروں کو دیکھ کر حیران ہو گئے ہو وہ اللہ کے سپاہی ہیں۔ تمھارے بُرے اعمال، بُری عادتیں اور تکبر کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں تم پر حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ میں اِن شاء اللہ تم کو ذلیل کروں گا اور تمھارا سر کاٹ کر عراق بھیجوں گا پھر خود حق کے لیے قربان ہو جاؤں گا۔ میں خدا کے احسان کا امیدوار ہوں کہ وہ ہمیں فتح و کامرانی عطا فرمائے۔"

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون (موجودہ حیدرآباد) کا رُخ کیا اور کسی جنگ کے بغیر شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے ان کا لشکر سیوستان (موجودہ سیہون) روانہ ہوا۔ بڑے سخت مقابلے کے بعد مسلمان قلعے میں داخل ہوئے۔ دریا پر کشتیوں کا پُل بنوایا اور لشکر لے کر دریا کو پار کر لیا۔ یہاں سے یہ لشکر راوَر کی جانب جسے پور نامی ایک گاؤں میں پہنچا۔ جے پور اور راوَر کے درمیان ایک جھیل تھی۔ اسلامی لشکر نے جھیل پار کر کے اپنے مورچے بنا لیے۔ راجا داہر راوَر کے قلعہ میں بند تھا۔ آخر کار یکم رمضان ۹۳ھ (۷۱۲ء) کو آخری

جنگ شروع ہوئی جو دس دن تک جاری رہی۔ دس رمضان کو داہر بڑی شان کے ساتھ سفید ہاتھی پر بیٹھ کر باہر نکلا۔ وہ شراب پی رہا تھا اور پان کے بیڑے چبا رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چکر تھا جس کو گھما کر وہ قریب آنے والے کا سر الگ کر دیتا تھا۔ اسلامی لشکر اس کی وجہ سے پریشان تھا۔ آخر ایک تیر پھینکنے والے نے آگ کا ایک تیر ہاتھی کی عماری میں پھینکا۔ اس سے آگ لگ گئی اور ہاتھی جھیل میں گھس کر بیٹھ گیا۔ ایک اور تیر پھینکنے والے نے اس کی پیٹھ میں تیر مارا۔ ہاتھی اُٹھ کر بھاگا اور اپنی ہی فوج کو روندتا ہوا گزر گیا۔ داہر ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لڑنے لگا۔

جمعرات ۱۰ رمضان المبارک کا سورج مغرب میں تیزی کے ساتھ اُتر رہا تھا کہ ایک مجاہد کی تلوار نے داہر کی زندگی کے سورج کو بھی موت کے گہرے اندھیرے میں ہمیشہ کے لیے غروب کر دیا۔

حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو جہاں جنگ کی ہدایات بھیجیں وہاں حکومت چلانے کے اصول بھی لکھے۔ اُس نے محمد بن قاسم کو حکمرانی کے جو چار اصول لکھے وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے لکھا:

۱۔ رعایا کے ساتھ نیکی اور نرمی کا برتاو کرنا۔

۲۔ حق داروں کو انعام سے نوازنا۔

۳۔ دُشمنوں کے مزاج کو پہچاننا اور ان کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا۔

۴۔ دُشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ بہادری اور قوت سے کام لینا۔

انھی اصولوں کو اپنا کر ہمارے بزرگوں نے دُنیا پر حکومت کی۔ صدیوں تک ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں قائم رہی۔ مسلمان سپاہی اللہ کے احکام کی پابندی کروانے کے لیے لڑتا ہے۔ وہ لوگوں کے بگڑے کام بنانے کے لیے اپنا خون بہاتا ہے۔ وہ دوسروں کی مشکلیں دُور کرنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکُشا، کارساز

(اقبال)

احمد خاں خلیل

فقیر کے بھیس میں

ڈاکٹر واٹسن دیر سے گھر لوٹا۔ ابھی وہ چائے پی رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس کی بیوی نے کہا، "کوئی مریض ہوگا۔" ڈاکٹر واٹسن پہلے ہی سے تھکا ہوا تھا، کچھ بڑبڑایا۔ دروازہ کھولا تو ایک خاتون سیاہ لباس میں ملبوس اندر داخل ہوئی اور اندر آتے ہی ڈاکٹر واٹسن کی بیوی سے لپٹ کر گئی اور گڑگڑا کر کہنے لگی، "میری مدد کرو، میں بڑی مظلوم ہوں۔" یہ خاتون وٹنی کی بیوی تھی اور ڈاکٹر کی بیوی کی سہیلی۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر دو دن سے غائب ہے۔ اسے نشہ کی لت لگ گئی ہے اور وہ نشہ کرنے والوں کے ہاں پڑا ہے۔

اپنی بیوی کی سہیلی کی خاطر ڈاکٹر کو جانا پڑا۔

وٹ نی کی بیوی نے اس کو اس کا پتا بتایا جہاں اس کا خاوند جایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر واٹ سن شہر کے اُس حصّے میں کبھی نہیں گیا تھا۔ ایک گندی گلی میں ایک گندا مکان جس سے نشہ آور چیزوں کی بدبُو آرہی تھی۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوا تو کئی آدمی پڑے دیکھے۔ آنکھیں مُوندے، سر جُھکائے، چہرے سے نحوست ٹپک رہی تھی۔ نشے نے ان کی یہ بُری حالت کر رکھی تھی کہ سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ واٹ سن گزرا تو ایک دو کے منھ سے "ہوں"، "ہاں" نکلی، ایک دو نے کنکھیوں سے دیکھا بھی، لیکن سب کے سب نڈھال لاچار پڑے رہے۔ آگے ایک آدمی ملا۔ ڈاکٹر واٹ سن نے کہا، "میں اپنے دوست وٹ نی سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے ایک کونے کی طرف اشارا کیا۔ وٹ نی بُری حالت میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا جیسے اس کی تمام طاقت جسم سے نکل چکی ہے۔ جب اسے واٹ سن نے بتایا کہ اس کی بیوی سخت پریشان ہے تو وہ اس کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔ وٹ نی کے پاس پیسے بھی نہ تھے کہ قرض ادا کرتا۔ واٹ سن نے اس کا قرض ادا کیا۔

واٹ سن مکان سے باہر نکلنے ہی کو تھا کہ ایک لمبا چوڑا آدمی ایک کرسی پر اونگھتا نظر آیا۔ اس شخص نے واٹ سن کو اشارا کیا۔ واٹ سن حیران تھا کہ کون ہو سکتا ہے جو اسے جانتا ہو۔ قریب جانے پر معلوم ہوا کہ وہ تو اس کا دوست اور مشہور جاسوس شرلاک ہومز ہے۔ شرلاک ہومز نے ڈاکٹر واٹ سن سے کہا کہ وہ وٹ نی کو ٹیکسی پر بٹھا کر واپس آجائے۔

وٹ نی کو روانہ کر کے واٹ سن حیران تھا کہ کہاں شرلاک ہومز اور کہاں یہ گندہ مکان، نشہ پینے والوں کا اڈا......؟ بعد میں شرلاک ہومز نے بتایا کہ وہ ایک قتل کی تفتیش کرنے کے لیے بھیس بدلے ہوئے ہے۔ دونوں وہاں سے نکلے۔ ایک گاڑی پر سوار ہو کر اس ٹھکانے پر پہنچے جہاں شرلاک ہومز تفتیش کی غرض سے ٹھہرا ہوا تھا۔

بات یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص مُولر جو خوش حال بتایا جاتا تھا، کچھ دنوں سے غائب ہو چکا تھا۔ اس کے متعلق یہی شک تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔ مولر کی بیوی نے واقعہ یوں بیان کیا کہ پچھلے پہر کو اسے ایک تار ملا جس میں اس کے خاوند نے کہا تھا کہ وہ ابرڈین کمپنی کے ہاں جا کر بچّوں کے کھلونے حاصل کر لے۔ ان کی قیمت اس کے خاوند نے ادا کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا خاوند مصروف آدمی تھا وہ کسی اور کام میں لگ گیا ہوگا۔ وہ کئی کھلونے لے کر بازار سے گزر رہی

تھی کہ اچانک ایک دُکان کی ایک اُوپری منزل میں ایک کھڑکی میں اُسے اپنا خاوند دکھائی دیا۔ خاوند نے پریشانی سے اُسے اشارا کیا تھا کہ کسی نے اُسے پیچھے گھسیٹ لیا۔ اس کی بیوی نے سمجھا کہ وہ ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ وہ اس مکان میں داخل ہوئی تھی کہ ایک آدمی نے بڑھ کر اُسے روک دیا۔ یہ ایک حبشی تھا۔ مولر کی بیوی کا شک اور بڑھا۔ بازار میں واپس آکر اس نے پولیس کو اطلاع دی۔ پولیس کو لے کر وہ وہاں پہنچی تو وہ حبشی کہنے لگا کہ یہاں مولر نام کا کوئی شخص نہیں آیا۔ صرف ایک فقیر یہاں رہا کرتا ہے جس کا نام لسکی ہے۔

مولر کی بیوی نے پولیس کو یقین دلایا کہ وہ اپنے خاوند کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرسکتی، اس نے خود اسے کھڑکی میں سے اشارا کرتے دیکھا ہے۔ انسپکٹر پولیس حیران تھا کہ کس کی مانے

اور کس کی نہ مانے۔ آخر اس نے کمروں کی تلاشی لینی شروع کی۔ پچھلے کمرے کی کھڑکی سمندر کے کنارے کی طرف کھلتی تھی۔ اس کھڑکی کے کواڑ پر خون کا تازہ نشان تھا۔ حبشی چوکیدار نے نیچے مولر کی بیوی کو روک رہا تھا۔ اس لیے انسپکٹر کو شک گزرا کہ کوئی اور شخص یہاں سے جس نے قتل کا جُرم کیا تھا۔ آخر اس فقیر کی تلاش شروع ہوئی۔ یہ فقیر قریب کی چورنگی پر بھیک مانگتا تھا۔ اگرچہ بھیک مانگنا جُرم تھا۔ لیکن اس نے یہ بہانہ بنا رکھا تھا کہ چند موم بتیاں بیچنے کے لیے پاس رکھ لیتا۔ لوگ سمجھ جاتے کہ بھیک مانگتا ہے اسے کچھ دے دیتے۔ اسے شرلاک ہومز نے اس چوراہے پر کئی بار بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تھا۔ لمبا تڑنگا جوان، نارنگی رنگ کے بکھرے ہوئے بال، زرد چہرہ۔ میل کچیل سے منہ سیاہ اوپر کا ہونٹ ذرا اوپر کو مُڑا ہوا، آنکھیں کالی اور چمک دار۔ یہ فقیر برسوں سے اس چورنگی میں بھیک مانگ رہا تھا۔

مولر کی بیوی نے جب کھڑکی کے کواڑ پر خون کا دھبا دیکھا تو وہ غم کے مارے بے ہوش سی ہو چلی تھی۔ خاوند کا قتل ہو جانا، اس کے بچوں کا یتیم ہو جانا اور اس کا سہاگ لٹ جانا، یہ سب باتیں ناقابلِ برداشت تھیں۔ انسپکٹر نے تلاشی لی تو اس کی آستین پر بھی خون کا دھبا ملا مگر فقیر نے بتایا کہ اس کی اُنگلی کٹ گئی ہے، یہ اس کا خون ہے۔ اس وقت سمندر کا پانی چڑھا ہوا تھا اور انسپکٹر کو یہ شک تھا کہ اگر کسی نے مولر کو قتل کر کے کھڑکی سے نیچے لڑھکا دیا تو اس کی لاش پانی میں بہہ گئی ہوگی۔ پانی کچھ اُترے گا تو شاید کوئی سُراغ مل جائے۔ پانی اُترا اور اس جگہ کو غور سے دیکھا گیا تو مولر کا کوٹ پڑا ملا اور اس کی جیبوں میں پنس کے دو تین سو سکے بھرے تھے۔ مولر کا ان سکوں سے کیا کام۔ پھر کمرے کی تلاشی لی گئی اور مولر کے دوسرے کپڑے بھی مل گئے لیکن معمّا جوں کا توں رہا کہ مولر کا قتل کس نے کیا؟ اس کی لاش کہاں گئی؟ اور قاتل کہاں گیا؟ کیوں کہ اس واقعہ کے فوراً بعد انسپکٹر اور مولر کی بیوی پہنچ گئے تھے۔ اس مکان میں ایک حبشی غلام اور اس فقیر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، پولیس نے حبشی کو حراست میں لے لیا۔

شرلاک ہومز نے جب مولر کی بیوی سے تمام واقعہ سنا تو اُس نے یہی طے کیا کہ بھیس بدل کر وہ نشہ پینے والوں اور فقیروں کے ساتھ مل جل کر اصل بات معلوم کرے۔ ڈاکٹر واٹسن کے ساتھ جب وہ اس مکان میں پہنچا تو اس نے بتایا کہ یہی مولر کا مکان ہے جہاں اس کی بیوی نے اسے ایک کمرہ دے رکھا ہے تاکہ تفتیش میں سہولت ہو۔ ان کے پہنچتے ہی مولر کی بیوی آئی۔ اس نے تازہ خبر یہ سنائی

کہ اسے ایک تار ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ۔ "وہ پریشان نہ ہو"۔ اس کی بیوی نے کہا "مجھے یقین ہے کہ مولر زندہ ہے"۔

"تار تو کوئی دوسرا بھی دے سکتا ہے"۔ شرلاک ہومز نے دلیل دی۔

"یہ تار یقیناً تفتیش کے رُخ کو موڑنے کے لیے دیا گیا ہے"۔ ڈاکٹر واٹسن نے اپنی رائے ظاہر کی۔

شرلاک ہومز نے قتل کے واقعے کو مولر کی بیوی سے دوبارہ سنا۔ دو ایک سوال پوچھے، تار لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ دیر ہو چکی تھی اس لیے اجازت لے کر سو گئے۔

صبح منھ اندھیرے شرلاک ہومز اٹھا، ڈاکٹر واٹسن کو بھی تیار ہونے کو کہا

اتنی جلدی کہاں کا ارادہ ہے؟" واٹسن نے پوچھا۔

"کوتوالی جائیں گے، ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، ممکن ہے مسئلہ حل ہو جائے۔" شرلاک ہومز نے بتایا۔

گاڑی نکالی گئی اور دونوں سوار ہو کر کوتوالی پہنچے۔ شرلاک ہومز سے انسپکٹر اچھی طرح واقف تھے۔ شرلاک ہومز نے اس سے کہا کہ بھئی آپ نے یہ غلطی کی کہ فقیر کو حراست میں نہیں لیا۔

"نہیں جناب! ہم نے یہ غلطی نہیں کی، اسے حراست میں رکھا ہے۔" انسپکٹر نے بڑے فخر سے بتایا۔ فقیر کا حلیہ بڑا مکروہ تھا۔ کپڑوں سے بدبو آتی تھی، شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ انسپکٹر نے کہا کہ اس مردود کو آج ہم نہلانے کی سوچ رہے ہیں۔ ادھر شرلاک ہومز نے کہا کہ میں اس سوٹ کیس میں اس معمّا کا حل بند کر کے لایا ہوں مجھے فقیر کے کمرے میں پہنچا دو۔ کمرہ کھولا گیا۔ فقیر ابھی سویا ہوا تھا۔ شرلاک ہومز نے سوٹ کیس کھولا۔ ایک بڑا اسفنج نکالا۔ یہ اسفنج اس نے مورکے غسل خانے سے اٹھایا تھا جہاں وہ رات کو ٹھہرا تھا۔ اسفنج کو گیلا کر کے فقیر کے چہرے پر ملنا شروع کیا تاکہ فقیر کا چہرہ صاف ہو جائے۔ جوں ہی اس کے چہرے سے میل اُترا اس کے چہرے سے تل اور زخم کے نشان بھی صاف ہو گئے۔ سیاہ رنگ کے بجائے سُرخ رنگ جھلکنے لگا۔ اور فقیر بجائے فقیر کے مورلز نظر آنے لگا۔

انسپکٹر اور ڈاکٹر واٹسن یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فقیر نے جان لیا کہ اب اس کا راز فاش ہو چکا ہے۔ اپنا سارا حال کہہ سنایا کہ کس طرح وہ پہلے ملازمت کرتا تھا۔ پھر ایکٹنگ کرنے لگا۔ ایکٹنگ میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک بار قرض چکانے کے لیے اُس نے فقیر کا بھیس بنا کر بھیک مانگی تو بڑا کامیاب رہا۔ تب سے وہ روزانہ گھر سے آجاتا اور اس مکان میں جہاں سے وہ گرفتار ہوا تھا، بیٹھ کر بھیس بدل لیا کرتا۔ دن بھر بھیک مانگتا اور شام کو پھر بھیس بدل کر گھر پہنچ جاتا۔ یہ راز صرف اس حبشی کو معلوم تھا جسے روزانہ وہ کچھ رقم دے دیتا تھا۔ اپنی بیوی کو اُس نے بتا رکھا تھا کہ وہ چل پھر کر آڑھت کا کام کرتا ہے۔ اس کا کوئی مستقل دفتر یا دکان نہیں ہے۔ اب جب کہ اس کی بیوی نے اسے دیکھ لیا تھا اس نے یہ چال چلی، کہ اسے معلوم نہ ہو سکے کہ میں بھیک مانگتا ہوں۔

انسپکٹر نے اسے دھوکے کے الزام میں گرفتار کرنا چاہا لیکن اُس نے بڑی منت سے معافی

باقی صفحہ ۴۸ پر

دُھوئیں کا پیغام

علی اسد

اب سے کوئی سو برس پہلے امریکا میں زندگی کے طور طریقے ایسے نہیں تھے جیسے آج ہیں۔ مقامی باشندے جن کو ریڈ انڈین کہا جاتا ہے اکثر مقامات پر اپنے ڈیرے جمائے ہوتے تھے۔ امریکیوں سے ان کی لڑائی بھی ہوتی رہتی تھی اور دوستی بھی ہوتی رہتی تھی۔ بہت سے لوگ اُن دِنوں مویشی (گائے، بیل وغیرہ) پالتے

تھے اور کچھ لوگ گائے بَیلوں کو چُراتے بھی رہتے تھے۔ چُناں چہ اسی زمانے میں ایک مقام پر مویشی کے چوروں نے بڑا پریشان کر رکھا تھا۔ پولیس افسر جس کو وہاں شیرِیف (SHERIFF) کہا جاتا ہے اپنے گھوڑے پر سوار ایک مویشی خانے پر پہنچا اور پوچھنے لگا، "تم لوگوں کے جانور تو چوری نہیں ہوئے؟" اس پر وہاں کا ایک بوڑھا شخص بولا، "جی نہیں"۔ شیرلیف نے کہا، "چلو، شکر ہے۔ مگر آج کل مویشی کی چوریاں بہت بڑے پیمانے پر ہو رہی ہیں اور میں نے بھی قسم کھا رکھی ہے کہ ان کا خاتمہ کر کے دم لوں گا۔"

یہ کہہ کر شیرلیف ایک نوعُمر لڑکے کی جانب گھورا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہونے والا تھا۔ "کیوں برخوردار، تم کدھر چلے؟" لڑکے نے جواب دیا، "مَیں ذرا ہَینک صاحب سے ملنے جا رہا ہوں جو سکاٹون میں رہتے ہیں۔" یہ سُن کر شیرلیف مطمئن ہو کر چلا گیا۔ اِدھر وہ لڑکا جس کا نام ٹام تھا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سرپٹ رَوانہ ہو گیا۔ کچھ دُور ایک سُنسان ریگستانی علاقے میں کِسی نے اس کو دُور سے آواز دی، "اَرے ٹام!" ٹام نے اپنے گھوڑے کو روکا اور مُڑ کر دیکھا تو اس کا ریڈ انڈین دوست اپنے گھوڑے پر چلا آ رہا تھا۔ اس ریڈ انڈین لڑکے کا نام تھا "چھوٹا بھیڑیا"۔ جی ہاں! ان لوگوں کے نام ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ دونوں لڑکے باتیں کرنے لگے۔ ٹام بولا، "مَیں ہینک صاحب سے ملنے سکاٹون جا رہا ہوں۔" اس پر ریڈ انڈین لڑکا بولا، "مَیں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔"

چناں چہ یہ دونوں لڑکے سکاٹون کے قریب جو پہنچے تو اُنھوں نے ایک ٹیلے پر سے دیکھا کہ نشیبی میدان میں بہت سے لوگ گھوڑوں پر سوار گائے بَیلوں پر رسّیوں کے پھندے پھینک رہے ہیں اور انھیں پکڑ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ٹام بولا، "یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ مویشی اکٹھے کرنے کا یہ زمانہ تو ہے نہیں اور پھر یہ مویشی تو ہَینک صاحب کے ہیں اور وہ بڑے میاں گھڑ سواروں کو نوکر نہیں رکھتے۔" اس پر انڈین لڑکا بولا، "ارے، ارے، یہ لوگ تو اِن جانوروں کو چُرائے لیے جا رہے ہیں!"

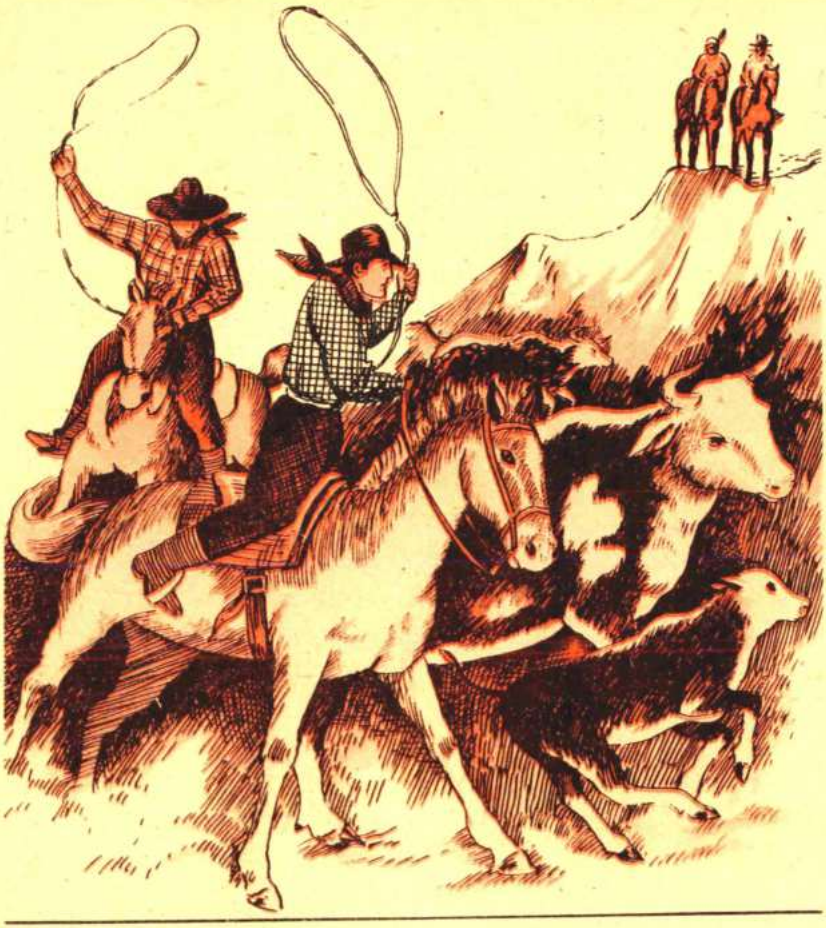

اتنے میں لڑکوں کے پیچھے ایک سوار آ پہنچا اور بولا "ارے لڑکو، تم یہاں کیا کر رہے ہو!" ٹام نے کہا "ہم لوگ ہینک صاحب سے ملنے جا رہے ہیں۔" یہ سُن کر وہ آدمی بولا، "تم جاسُوس معلوم ہوتے ہو، چلو ہمارے ساتھ۔"

چناں چہ وہ آدمی ان لڑکوں کو لے کر نیچے وادی میں اترا اور انھیں ایک دُوسرے آدمی کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولا "میں نے ان لڑکوں کو پکڑ لیا ہے۔ یہ ہماری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے یہ جاسُوس ہیں۔" دُوسرا

آدمی بولا، "ان کو بھی اس بڈھے کے ساتھ قید کر دو۔"

چناں چہ وہ آدمی جس نے لڑکوں کو پکڑا تھا انھیں لے کر ایک مکان میں پہنچا اور دھکے دے کر لڑکوں کو ایک کمرے میں دھکیل دیا۔ اسی کمرے میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ مویشی چور نے لڑکوں سے کہا، "بس چپ چاپ یہیں رہو۔"

بوڑھے آدمی نے لڑکوں کو دیکھ کر حیرت سے کہا، "ارے ٹام، تم اور چھوٹا بھیڑیا!"

جب وہ آدمی لڑکوں کو بڈھے کے ساتھ بند کر کے چلا گیا تو بڈھا اٹھ کر لڑکوں کے پاس آیا اور بولا، "لڑکو! مجھے افسوس ہے کہ انھوں نے تم کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ یہ چوٹے میرے مویشی چُرائے لیے جا رہے ہیں۔"

ادھر وہ چور لڑکوں کو چھوڑ کر جب جانے لگا تو اس کے ہاتھ سے سگرٹ گر گیا۔ سگرٹ اتفاق سے ایک اخبار پر گرا اور آگ لگ گئی۔ اندر کمرے میں ٹام نے کہا، "مجھے دھوئیں کی بُو محسوس ہو رہی ہے!" اس پر بڈھا بولا، "ارے غضب ہو گیا۔ مکان میں آگ لگ گئی ہے!" ٹام بولا، "ہم کو جلدی سے یہاں سے نکلنا چاہیے۔" بوڑھے نے ایک تپائی اٹھاتے ہوئے کہا، "اس سے کھڑکی توڑ ڈالو۔" ٹام نے کہا، "جی ہاں، اگر کھڑکی کا چوکھٹا ذرا بھی ٹوٹ جائے تو پھر میں یا چھوٹا بھیڑیا اس میں سے نکل جائیں گے۔" چناں چہ کھڑکی کو توڑ ڈالا گیا۔ ٹام اور انڈین لڑکا کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگے۔ ٹام بولا، "ارے میرا گھوڑا پنٹو باہر کھڑا ہے۔ ایک ترکیب سمجھ میں آ رہی ہے۔"

اس کے بعد ٹام نے گھوڑے کو آواز دی، "پنٹو! پنٹو!"

گھوڑا اپنا نام سن کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ ٹام نے کھڑکی میں سے ہاتھ ڈال کر گھوڑے کی زین پکڑنا چاہی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد ٹام نے رسّی کو کھڑکی کی سلاخوں میں باندھ دیا۔ انڈین لڑکا بولا، "ٹام! یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

ٹام بولا، "تم دیکھتے جاؤ!"

اب رسّی کا ایک سرا کھڑکی میں بندھا ہوا تھا اور دُوسرا گھوڑے کی زین میں بندھا ہوا تھا۔ پھر ٹام نے گھوڑے سے کہا، "ہاں پنٹو، چلو گھسیٹو، شاباش!"

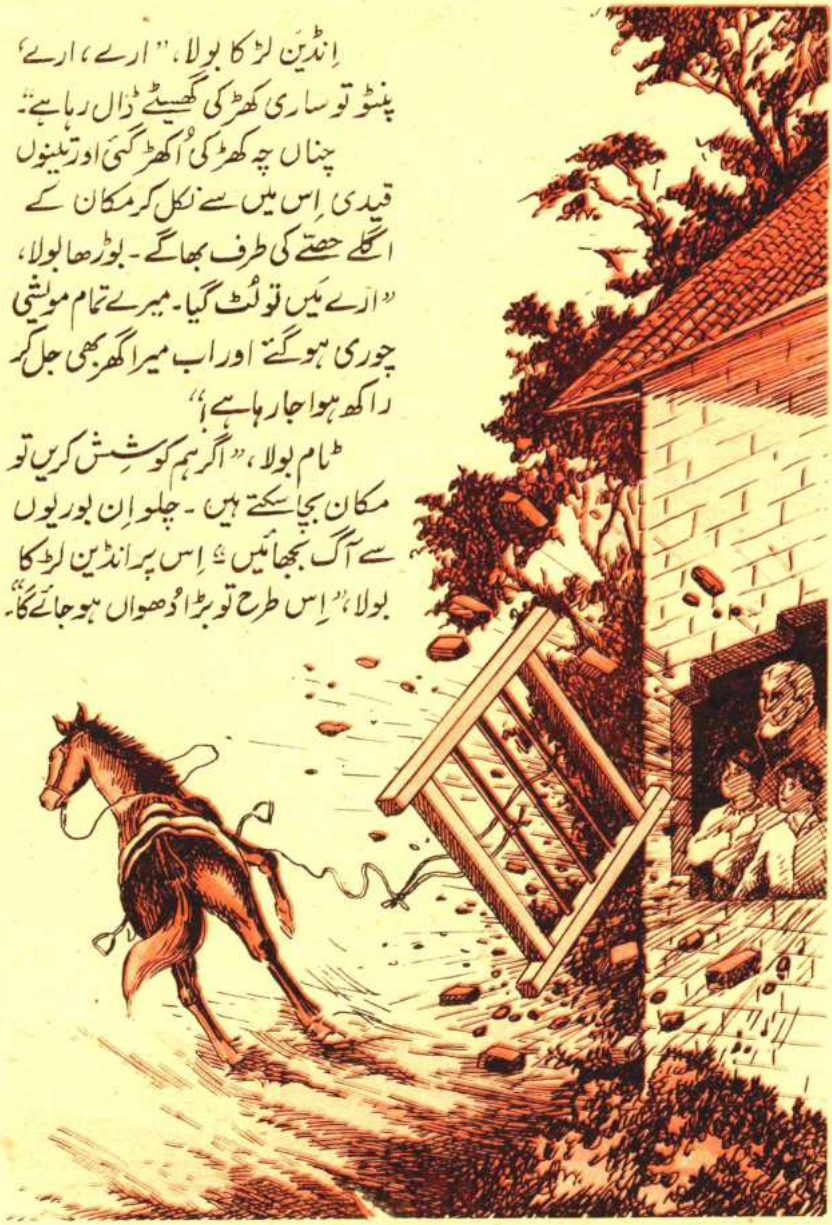

اِنڈین لڑکا بولا، "ارے، ارے،
پنٹو تو ساری کھڑکی گھسیٹے ڈال رہا ہے"۔
چناں چہ کھڑکی اُکھڑ گئی اور تینوں
قیدی اِس میں سے نکل کر مکان کے
اگلے حصّے کی طرف بھاگے۔ بوڑھا بولا،
"ارے مَیں تو لُٹ گیا۔ میرے تمام مویشی
چوری ہو گئے اور اب میرا گھر بھی جل کر
راکھ ہوا جا رہا ہے!"
ٹام بولا، "اگر ہم کوشش کریں تو
مکان بچا سکتے ہیں۔ چلو اِن بوریوں
سے آگ بجھائیں۔" اِس پر انڈین لڑکا
بولا، "اِس طرح تو بڑا دھواں ہو جائے گا۔"

یہ سُن کر ٹام بولا "دُھواں! ایک ترکیب میری سمجھ میں آرہی ہے!" پھر وہ انڈین لڑکے سے مخاطب ہو کر کہنے لگا، "اچھا یہ بتاؤ کہ تمھارے انڈین لوگ کیا یہاں سے دھوئیں کا پیغام دیکھ سکیں گے؟"

"انڈین لڑکا بولا، "ہاں، دُھواں تو بہت دُور دکھائی دے جاتا ہے۔"

"پھر تو جلدی سے پہاڑی پر سے پیغام بھیجو۔ شاید ہم لوگ ہینک صاحب کے مویشی بھی بچا سکیں۔"

اُدھر وادی سے نکلتے وقت چوروں نے دُھواں جو دیکھا تو وہ سمجھ گئے۔ ایک چور بولا، "وہ دیکھو، کوئی دھوئیں سے پیغام بھیج رہا ہے!"

اس پر دوسرا چور بولا، "گھبرانے کی بات نہیں۔ اس علاقے میں جو انڈین ہیں ان سے ہماری لڑائی نہیں ہے۔"

لیکن بہت دُور انڈین قبیلے کے سردار نے جو دُھواں دیکھا تو وہ چلّا اٹھا، "یہ تو میرا بیٹا پیغام بھیج رہا ہے! فوراً گھوڑوں کو لاؤ!"

چناں چہ انڈین اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر کرنل ٹکس کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کرنل ٹکس اس علاقے کے بڑے آدمیوں میں سے تھے۔ انڈین سردار نے کرنل ٹکس کو سارا قصہ سُنا دیا اور بولا "اگر ہم لوگ تیزی سے چلیں تو پھر چوروں کو پکڑ لیں گے۔" بس پھر کیا تھا۔ کرنل ٹکس اپنے آدمیوں کو لے کر انڈین سردار کے ساتھ ہو گئے اور ذرا ہی دیر میں اُن سب نے چوروں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ چوروں نے جب دیکھا کہ بھاگنے کے سارے راستے بند ہو چکے ہیں تو انھوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ چوروں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بعد میں جب یہ سب لوگ پولیس افسر کے دفتر میں پہنچے تو پولیس افسر نے لڑکوں سے پوچھا، "تم لوگ ٹھیک ہو نا؟" ٹام بولا "جی ہاں، شکریہ۔ دراصل پنٹو نے ہماری بڑی مدد کی۔" جن بڑے میاں کے مویشی چوری ہو رہے تھے انھوں نے بھی لڑکوں کا شکریہ ادا کیا۔ پولیس افسر نے لڑکوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا، "واقعی تم لڑکوں نے بڑی عقل مندی اور بہادری سے کام لیا۔"

اخبارِ نونہال

پاکستانی کی ایجاد

ایک پاکستانی اسسٹنٹ انجن ڈرائیور اللہ دتہ مُغل پورہ لوکو شیڈ (لاہور) نے ریل گاڑیوں کے حادثات روکنے کے ایک نئے آلے کی ایجاد کا اعلان کیا ہے۔ اس نے ریل کے اعلیٰ افسران کو بھی اس کی کارکردگی سے مطمئن کر دیا ہے۔ اس آلے کو انجن کے ساتھ لگا دینے سے رات کے اندھیرے یا دُھند میں آؤٹر سگنل نظر نہ آنے کی صورت میں یہ آلہ خود بخود انجن کو کنٹرول کرے گا۔ گاڑی سگنل کے پاس آکر رُک جائے گی اور ڈرائیور اور گارڈ کے کمپارٹمنٹ کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو جائیں گی اور بتیاں روشن ہو جائیں گی۔ امید کی جاتی ہے کہ اس ایجاد سے ریل کا سفر بہت محفوظ ہو جائے گا۔

مرسلہ: قاضی محمد علی کوثر، کراچی

شور ختم کرنے والی مشین

ہیمبرگ کے طیارہ سازی کے کارخانے کے انجنیئروں نے ایک مشین ایجاد کی ہے جو قُرب و جوار کے شور کو جذب کر لیتی ہے۔ اس مشین کا نام مفلر ہے۔ وفاقی جمہوریۂ جرمنی میں اسے جیٹ انجنوں کا شور جذب کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس مشین میں اوپر نیچے کئی پائپ لگائے گئے ہیں۔ یہ شور و غل کو اپنی طرف کھینچ کر جذب کر لیتے ہیں۔ اس کارخانے کے اِرد گرد بسنے والے لوگ جیٹ انجنوں کا شور بالکل نہیں سُنتے۔

مرسلہ: عرفان شاہ، کراچی

عجیب مُصوّر

بانگ ارنان نامی ایک چینی مصوّر کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ زبان سے تصویریں بناتا ہے۔ وہ اپنے منھ کو ٹیوب اور زبان کو برش کی طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے میں رنگوں کا ذائقہ محسوس کر کے مصوّری کرنے کا بڑا شوقین ہوں۔

مرسلہ: محمد جاوید بادشاہ، کراچی

برف کا محل

۱۷۴۵ء میں روس کے ایک بادشاہ نے برفانی علاقے میں برف کا محل بنوایا تھا۔ اسے برف کی سلیں کاٹ کر بنوایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں صرف برف اور لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

مرسلہ: عبدالرشید اعوان، کراچی

کوّے نے ٹرین روک دی

کوّے نے دنیا کی سب سے تیز رفتار جاپانی برقی ٹرینوں کو روک دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک کوّے کے جوڑے نے کایامیوتسی الیکٹرک سب اسٹیشن کے انسولیٹر (حاجز) میں اپنا گھونسلا بنالیا تھا اور اس کے نتیجے میں پچپن ہزار وولٹ کی برقی رَو رُک گئی۔ برقی رو کی اس فراہمی میں رکاوٹ کی وجہ سے ۴۰ کلومیٹر لمبے ریلوے لائن پر تمام برقی ٹرینوں کی آمدورفت مسدود ہوگئی۔

مرسلہ: حسن اقبال قریشی، سکھر

انسانی گھڑی

لندن شہر میں ۱۹۲۹ء میں بل جینی نام کا ایک ۶۲ سالہ گھڑی ساز رہتا تھا۔ اس کے ذمّے لندن کے مشہور عالم سوائے ہوٹل کی ۵۰۵ گھڑیوں کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ ان گھڑیوں کو کنجی دینے میں اس کے پُورے چار دن صرف ہوجاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رات دن میں جس وقت بھی اس سے وقت دریافت کیا جاتا وہ گھڑی دیکھے بغیر آدھا منٹ غور کر کے صحیح وقت بتا دیتا تھا۔

مرسلہ: انیس۔ آر۔ احمد، کراچی

جاگو جگاؤ

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا
نونہالانِ وطن کے لیے

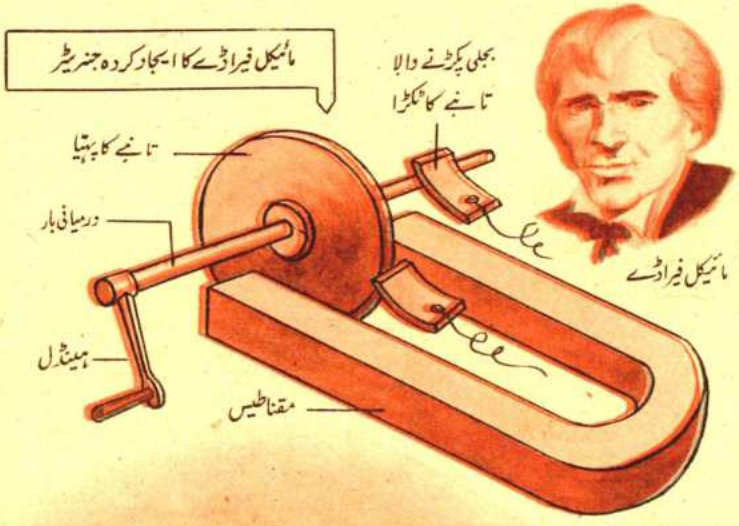

پیارے بچو! جاگو جگاؤ، علم حاصل کرو اور علم کی شمع ہاتھ میں لے کر دوسروں تک علم کی روشنی پہنچاؤ۔ علم حاصل کرنا اور دوسروں تک علم کی روشنی پہنچانا بڑا مقدس فریضہ ہے ——— حکیم محمد سعید

س : مہربانی فرما کر بتائیے کہ بجلی پیدا کرنے کا جنریٹر کس نے ایجاد کیا تھا؟ اس موجد کی زندگی کے حالات مختصر طور پر بیان فرمائیے۔ اور یہ بھی بتائیے کہ جنریٹر سے بجلی کس طرح حاصل کی جاتی ہے؟

(منظور حسین خالد، ملتان)

ج : بجلی پیدا کرنے کا جنریٹر ایک انگریز سائنس داں مائیکل فیراڈے (۱۸۶۷-۱۷۹۱ء) نے ایجاد کیا تھا۔ اسی ایجاد سے دُنیا میں بجلی کے زمانے کی ابتدا ہوئی۔ مائیکل فیراڈے ایک غریب لوہار کا لڑکا تھا۔ اس کے باپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ وہ مائیکل کو کسی اسکول میں تعلیم دلوا سکتا۔ علم حاصل کرنے کے شوق میں اُس نے گھر پر ہی تھوڑی بہت انگریزی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اور اس کے بعد صرف تیرہ سال کی عمر میں کتابوں کی ایک دُکان میں نوکر ہو گیا جہاں اس نے دُکان میں رکھی ہوئی کئی سائنس کی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اس کے علاوہ جب کبھی کسی سائنس داں کا لیکچر ہوتا وہ بڑے شوق سے سننے جاتا۔ ۲۱ سال کی عمر میں مائیکل ایک کیمیائی لیبارٹری میں نوکر ہو گیا جہاں اسے جب بھی موقع ملتا وہ بجلی سے متعلق چھوٹے چھوٹے تجربے کرتا رہتا۔ آخر کار ایک ایسا وقت آیا کہ دُنیا کے سائنس داں مائیکل کے تجربات میں گہری دل چسپی لینے لگے۔ اس غریب لوہار کے لڑکے نے اتنی شہرت حاصل کی کہ ۱۸۲۴ء میں اسے لندن کے رائل انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس نے ایک ایسی مشین بنانے کے لیے تجربات شروع کر دیے جو لگاتار بجلی پیدا کرتی رہے تاکہ بجلی کے اس آؤٹ پٹ کو کسی کام کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ اس نے دریافت کیا کہ اگر کسی مقناطیس کی نظر نہ آنے والی لہروں میں تانبے کے ایک ٹکڑے کو حرکت دی جائے تو بجلی کی رَو پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ حرکت لگاتار ہوتی رہے تو بجلی کی رَو لگاتار بہتی رہتی ہے۔ اسی اُصول پر مائیکل فیراڈے ۱۸۳۱ء میں ایک چھوٹا مگر بالکل سادہ بجلی کا جنریٹر بنانے میں کام یاب ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کی نال کی شکل کا ایک مقناطیس لیا اور اس کے دونوں سروں کے درمیان تانبے کا ایک ایسا پہیا لگایا جو ہینڈل گھمانے سے گھومنے لگتا تھا۔ مقناطیس کے دونوں سروں کے درمیان مقناطیسی

لہریں ہونے کی وجہ سے تانبے کا یہ پہیّا بجلی کی رَو پیدا کرتا ہے اور جب تک گھومتا رہتا ہے بجلی کی رَو بہتی ہے۔ اس بجلی کی رَو کو پکڑنے کے لیے اس نے تانبے کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استعمال کیے۔ ایک ٹکڑا پہیے پر رگڑ کھاتا تھا اور دوسرا اس کے درمیانی بار پر۔ تانبے کے ان دونوں ٹکڑوں میں دو تار لگا کر بجلی کی رَو کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اس جنریٹر کی تصویر انسائیکلو پیڈیا کے سرورق پر دی جا رہی ہے۔

س: میں نے سُنا ہے کہ اب سے لاکھوں کروڑوں سال پہلے دُنیا میں دیو ہیکل جانور پائے جاتے تھے۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ بتائیں گے کہ ان کی نسل اب دُنیا سے کیوں ناپید ہو گئی؟

(افتخار احمد برنی، پُرانا سکھر)

ج: آپ نے ٹھیک سُنا ہے۔ یہ اب سے کوئی ساڑھے تیرہ کروڑ سال پہلے کی بات ہے کہ ہماری زمین پر دیو قامت جانوروں کا راج تھا جو دیو سر کہلاتے تھے۔ وہ ہاتھی سے بہت بڑے ہوتے تھے۔ اُن کا سر چھوٹا، گردن لمبی اور دُم اس سے بھی زیادہ لمبی ہوتی تھی۔ ان کی ٹانگیں موٹے ستونوں جیسی ہوتی تھیں۔ اُن کی شکلیں مختلف ہوتی تھیں اور ان میں سے بعض گوشت خور بھی تھے۔ یہ خشکی پر بھی تھے اور سمندروں میں بھی اور ان میں سے بعض ہَوا میں اُڑ بھی سکتے تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ ان دیو قامت جانوروں کی نسل ختم کیوں ہو گئی؟ اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ ان جانوروں کے جسم بہت بڑے تھے اور سر بہت چھوٹے یعنی وہ عقل سے محروم تھے۔ اگر ان کے سر بڑے اور جسم چھوٹے ہوتے تو شاید وہ چلتے رہتے۔ پھر بھی وہ لاکھوں برس زمین پر چھائے رہے۔ پھر زمین پر انقلاب آیا۔ جہاں پہلے پانی تھا وہاں مٹی اُبھر آئی، جھیلیں اور دلدلیں خشک ہو گئیں۔ ان جانوروں کے بڑے بڑے جسموں کے لیے پانی کا سہارا غائب ہو گیا اور وہ سبزی بھی کم ہو گئی جو جھیلوں کے کنارے اُگی ہوتی اور ان کے لیے غذا فراہم کرتی تھی۔ ان بے وقوفوں میں اتنی عقل بھی نہیں تھی کہ زندہ رہنے کے لیے کوئی اور صورت نکال لیتے، لہٰذا وہ مرتے چلے گئے اور ختم ہو گئے۔

س : کیا آسمان کوئی چیز نہیں ہے ؟ (میاں محمد ہارون رشید، کراچی)
(عزیز الدین، لائل پور)

ج : نومبر ۱۹۷۶ء کے ہمدرد نونہال میں ایک سوال کے جواب میں یہ جملہ لکھا گیا تھا کہ "آسمان کوئی چیز نہیں ہے" اس جملہ سے بعض نونہالوں کی سمجھ میں پوری بات نہیں آئی۔ اس لئے ہم یہاں اس کی تفصیل دے رہے ہیں:

"آسمان کوئی چیز نہیں" سے میری مراد یہ ہے کہ یہ کوئی ٹھوس چیز نہیں اور نہ کوئی گنبدِ دوراں ہے جیسا ہمارے شاعروں نے بار بار کہا ہے۔ ہم اسے حدِ نظر کہہ سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ سورج کی شعاعیں جب ہوا میں معلق ذرات سے ٹکراتی ہیں اور سات رنگوں میں ٹوٹتی ہیں تو نیلے رنگ کی زیادہ تر شعاعیں اوپر واپس چلی جاتی ہیں اور ہمیں ایک نیلی چھت کا احساس دلاتی ہیں۔ اسی کو ہم آسمان کہتے ہیں۔ اگر آپ چاند پر کھڑے ہو کر اوپر نظر ڈالیں تو چوں کہ وہاں ہوا موجود نہیں ہے۔ ہوا میں معلق گرد کے ذرات بھی نہیں ہیں اور ان ذرات سے ٹکرا کر سورج کی شعاعوں کا اپنے سات رنگوں میں ٹوٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے چاند پر سے آسمان بالکل سیاہ نظر آتا ہے، نیلا نہیں۔ یہ گویا دوسرا آسمان ہوگیا۔ اسی طرح اگر آپ نظامِ شمسی کے کسی دوسرے سیارے، مشتری، زحل، عطارد، مریخ، زہرہ، یا کسی دوسری دنیا پر پہنچ کر اوپر دیکھیں تو وہاں آپ کو ایک نیا آسمان نظر آئے گا یعنی ہر جہان کا اپنا ایک آسمان ہے جو ٹھوس نہیں ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ستاروں کو قندیل سمجھا جاتا تھا جنھیں دیوتارات کو نیچے اتار دیتے تھے تاکہ آسمان روشن ہو جائے۔ اور دن کے وقت اوپر کھینچ لیتے تھے، لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ آسمان میں نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی قندیل۔ ہر ستارہ ہمارے سورج کی طرح اپنی جگہ ایک روشن آفتاب ہے اور چوں کہ ہم سے بہت دور ہے اس لیے ہمیں رات کو ایک ننھے چراغ کی طرح نظر آتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالےٰ ہی نے زمین اور دوسرے جہان بنائے اُن کے اوپر نظر اور توجہ کرنے والا ایک ماحول قایم کیا، اس لیے ہم زمین آسمان دونوں کے وجود کے قائل ہیں، لیکن اگر آپ کسی راکٹ کو لا محدود سفر پر روانہ کریں تو وہ آسمان نامی کسی ٹھوس چیز سے نہیں ٹکرائے گا۔

س : آسمان پر بجلی کیوں چمکتی ہے ؟

(محمد ہارون، السبیلہ)

ج : بادل یا بجلی کا تعلّق ہماری فضا یا ہمارے آسمان سے ہے لیکن یہی کوئی دو تین میل کی بلندی تک فضائی نمی سے بادل بنتے ہیں اور جب ان کے ذرّات آپس میں رگڑ کھاتے ہیں تو ان پر برقی بار پیدا ہو جاتا ہے جسے ہم "چارج" کہتے ہیں۔ کسی پر مثبت اور کسی پر منفی۔ یہ مخالف چارج آپس میں ملنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا جیسے ہی مخالف چارج والے دو بادل اوپر نیچے یا ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو منفی چارج مثبت چارج کی طرف لپکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہوا بجلی کی اچھی موصل نہیں ہے۔ وہ اس ملاپ میں رُکاوٹ پیدا کرتی ہے تو چارج کی لپک ایک شعلے کی شکل میں زمین سے ہمیں نظر آتی ہے اور ہوا کی مخالفت پر قابو پانے والا زور گھن گرج کی آواز کے طور پر ہمیں سُنائی دیتا ہے۔ یہ ہے بجلی خواہ اسے برق کہو یا رعد لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہے جس پر بجلی دوڑتی ہے۔ یہ ڈراما زمین سے صرف چند میل کی بلندی پر کھیلا جاتا ہے اور بعض اوقات چند ہزار فٹ کی بلندی پر ہی۔ جب کوئی بادل زمین کے قریب آجاتا ہے تو اُس کا برقی بار زمین پر اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسے ہی اُسے کوئی عمارت، بلند و بالا درخت یا کوئی اور مادّی شے مل جاتی ہے جو درمیانی واسطے کا کام دے سکے تو وہ اس کے ذریعہ سے زمین میں چلا جاتا ہے۔ اس وقت زبردست چمک ہوتی ہے، بلا کا شور پیدا ہوتا ہے اور درمیانی واسطہ خواہ وہ درخت ہو، عمارت ہو یا کوئی انسان یا جانور، جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

س : قطب ستارہ حرکت کیوں نہیں کرتا ؟

(محامد علی کلیم، کراچی)

ج : آپ جانتے ہی ہیں کہ سیارے حرکت کرتے ہیں جب کہ ستارے ایسا نہیں کرتے۔ قطب ستارہ آسمان میں زمین کے ساتھ ایک سیدھ میں واقع ہے۔ جب زمین حرکت کرتی ہے تو وہ اسی لیے ساکت نظر آتا ہے۔ یہ ستارہ سمت معلوم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ہمیشہ شمال کی سمت میں نظر آتا ہے۔

شاعر لکھنوی

مسعود احمد برکاتی

یہ نام اکثر ہمدرد نونہال میں آپ دیکھتے ہیں۔ نام ہی نہیں دیکھتے، شاعر لکھنوی کی نظمیں بھی پڑھتے ہیں، پیاری پیاری، میٹھی میٹھی، ہلکی پھلکی اور گہری گہری۔

شاید بہت سے نونہال سوچتے ہوں کہ شاعر لکھنوی اتنی اچھی نظمیں صرف ان ہی کے لیے لکھتے ہیں۔ نہیں بھئی، یہ بات نہیں۔ اصل میں شاعر لکھنوی بڑوں کے شاعر ہیں اور بڑی خوب صورت غزل کہتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں بھی ان کا اپنا انداز ہے، اپنا مزاج ہے۔ ان کے شعروں میں الفاظ کا رکھ رکھاؤ بھی ہے اور خیال کا نکھار بھی۔ بہت کم لکھتے ہیں، کیوں کہ بہت سے شعر تو لکھنے کے بعد پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ جو شعر ان کو ذرا بھی کم زور معلوم ہوتا ہے اس کو بڑی بے دردی سے کاٹ دیتے ہیں۔ فن کی ترقی کا یہی راز ہے۔ اچھے شعروں سے ہمدردی کا تقاضا یہی ہے کہ کم زور شعروں پر ترس نہ کھایا جائے۔ اسی راز کو اپنا کر شاعر لکھنوی نے اپنے کلام کو اتنے اونچے مقام پر پہنچایا ہے۔

اور ایک راز کی بات بتادوں! شاعر صاحب پہلے بچوں کے لیے نہیں لکھتے تھے۔ یہ سہرا آپ میرے سر باندھ سکتے ہیں کہ میں نے ان کو مجبور کر کے بچوں کے لیے نظمیں لکھوانی شروع کیں۔ اس کے بعد تو شاعر صاحب نے نونہالوں کے لیے ایسی ایسی عمدہ نظمیں لکھیں کہ واہ واہ!

ننھا ذی شان

شاعر لکھنوی

یہ ننّھا سب جسے کہتے ہیں ذی شان
ہے سب کا لاڈلا گھر بھر کی ہے جان

ادائیں دِل رُبا باتیں ہیں معصُوم
مچی ہے بس اسی کی ہر طرف دُھوم

اُٹھا کر ہاتھ کرتا ہے اِشارا
سلام اس کا بہت لگتا ہے پیارا

مِلاتا ہے سلیقے سے یہ پھر ہات
سمجھتا ہے اُدب آداب کی بات

نہایت صاف سُتھرا اور ہُنر مَند
نظر آتا ہے ہر دَم چاق وچَوبند

کبھی بُش شرٹ اور نیکر طرح دار
کبھی پہنے ہے کُرتا اور شلوار

ٹھہرنا اک جگہ کب ہے اسے راس
ابھی دادا، ابھی دادی کے ہی پاس

بتائیں اس کی ہم رفتار کیسے؟
کِھلونا ہو کوئی خود کار جیسے

جو گھبراتا ہے گھر میں شاہ زادہ
گُھماتے ہیں اسے موٹر میں دادا

ہمیشہ کھانے پینے کی لگن میں
پلک جھپکی تو جا پہنچا کچن میں

نہ مِل پائے اگر بروقت خُوراک
تو ہو جاتا ہے یہ بے حد خطرناک

زمیں پر لوٹ کر، اُٹھ کر، مچل کر
مچا کر شور غصّے سے اُچھل کر

بجا کر تیز آوازوں کا تاشا
دکھاتا ہے یہ گھر بھر کو تماشا

لگی ہو دودھ کی جب مُنھ سے بوتل
سکوں ملتا ہے تب اس کو مکمّل

غرض ہلچل ہے اس کے دَم سے گھر میں
یہ ایک اِک پل پُھپھیوں کی نظر میں

ابھی اس کی زباں پر ہے نمایاں
فقط دو لفظ، ابّا اور امّاں

بنے یارب یہ بڑھ کر اور ذی شان
پڑھے ماں باپ کے سائے میں پروان

بڑھتی عمر اور مضبوط تر دانت

صحیح نشوونما کے لئے غذا کو اچھی طرح چبانے اور اس کو ہضم کرنے کی قوت بے حد ضروری ہے۔ لیکن خود اس کا دارومدار مضبوط اور صحت مند دانتوں پر ہے۔ دانت اُسی وقت مضبوط، صحت مند اور خوبصورت رہ سکتے ہیں جب ان کی صحت اور صفائی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

عمدہ دانت زندگی بھر کے ساتھی ہوتے ہیں۔

اُن کی پوری پوری حفاظت ہمدرد منجن سے کیجئے۔ ہمدرد منجن گہرائی تک پہنچ کر ان کی صفائی کرتا ہے۔ دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتا ہے۔ مسوڑھوں کی مالش کرتا ہے اور مُنہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔ اس کی ہلکی ہلکی ٹھنڈک اور خوشبو بڑی دلپسند ہے۔

ہمدرد منجن

مسکراہٹ میں کشش اور دانتوں میں سچے موتیوں کی چمک پیدا کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان

کراچی — لاہور — راولپنڈی — پشاور

مناظر صدیقی

انگریز تیس مار خاں نے شکار کھیلا

انگریز تیس مار خاں، سردار نارمن کی ایک کہانی تو تم نے پڑھ ہی لی ہوگی کہ انھوں نے کس طرح ڈاکوؤں کو گرفتار کیا تھا؟ آج ہم تمھیں ان کی ایک اور مزے دار کہانی سنائیں گے۔ یہ کہانی

بھی برطانیہ میں بہت مشہور ہے۔

ریاست وٹن میں ہر طرف امن وامان تھا۔ نہ کسی دُوسرے ملک کے حملے کا خطرہ تھا، اور نہ ڈاکوؤں کا ڈر، کئی سال سے اناج کی فصلیں بھی اچھی ہو رہی تھیں، چناں چہ اس ریاست کا ہر فرد خوش وخُرم زندگی گزار رہا تھا۔ سرداروں اور امیروں کو تو خیر پہلے بھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، اب تو عام رعایا بھی خوش تھی۔ کہتے ہیں کہ جب آدمی کو کوئی کام نہیں ہوتا تو اسے تفریح کی سُوجھتی ہے۔ چناں چہ ریاست وٹن کے لوگ بھی مختلف قسم کی تفریحات میں مگن رہنے لگے تھے۔ نوابوں اور جاگیرداروں میں شکار کا شوق عام ہوگیا تھا۔ یہ لوگ باز اور شِکرے پالتے اور انھیں سِدھا کر پرندوں کا شکار کرتے، کچھ نوابوں نے شکاری کتے بھی پال رکھے تھے، جو باقی بچے تھے وہ تیر کمان اور نیزوں ہی سے شکار کرتے تھے۔

عام نوابوں اور جاگیرداروں کی طرح ریاست وٹن کے بادشاہ اور اس کی بیٹی کو بھی شکار کا شوق تھا۔ بادشاہ اور شہزادی کو جب بھی شکار کرنا ہوتا تو وہ بہت سے دوسرے سرداروں کے ساتھ جنگل کی طرف چلے جاتے۔ ان کے ساتھ سِدھائے ہوئے باز اور شکاری کتے بھی ہوتے۔ جب شکار ہو جاتا تو شام کو جنگل ہی میں جشن منایا جاتا۔ شکار کیے ہوئے جانوروں کا گوشت بھُونا جاتا اور سب لوگ مزے لے لے کر کھاتے۔ اِس جشن میں سب ہی چھوٹے بڑے شریک ہوتے۔ کیا بادشاہ! کیا نواب! کیا نوکر چاکر۔ یہاں تک کہ شکاری جانور تک خوب پیٹ بھر کر تازہ تازہ گوشت کھاتے اور خوشی مناتے، لیکن ریاست وٹن میں دو آدمی ایسے تھے جنھوں نے کبھی ایسے کسی جشن میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ صرف اس قسم کے جشن کے متعلق سوچتے رہتے۔ بھُنے گوشت کا خیال آتا تو ان کے منھ میں پانی بھر آتا، لیکن اس کے باوجود وہ کبھی شکار میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک تو ووسٹر تھا اور دوسرا اس کا آقا سردار نارمن۔ ووسٹر تو خیر شکار کھیلنا چاہتا تھا، لیکن سردار نارمن ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے ٹال دیتا۔ یوں بے چارے ووسٹر کے دِل کی دِل میں رہ جاتی اور وہ بھی نہ شکار کھیل پاتا اور نہ جشن میں شریک ہو پاتا۔

ایک دن کیا ہوا کہ بادشاہ شکار کھیلنے جنگل میں گیا ہوا تھا۔ ریاست وٹن کی شہزادی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بادشاہ اور اس کے ساتھی شام کو جب شکار کر کے لوٹے تو سردار نارمن کے

گھر کے سامنے سے گزرے۔ ہر آدمی کے گھوڑے پر شکار کیے ہوئے جانور بھی پڑے ہوئے تھے۔ کسی پر بارہ سنگھے کے چھوٹے چھوٹے بچے، کسی پر خرگوش اور کسی پر جنگلی بکرے۔ یہ لوگ شور مچاتے، ہنستے، قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔ ان کا شور سُن کر سردار نارمن کا ملازم ووسٹر بھی گھر سے باہر نکلا تو گھوڑوں پر شکار کیے ہوئے جانور لدے ہوئے دیکھ کر اس کے منھ میں پانی بھر آیا۔ اسی وقت اِتفاق سے شہزادی کی نظر بھی ووسٹر پر پڑی۔ اس نے ووسٹر کو اشارے سے اپنے قریب بلایا اور اپنے نوکروں سے مختلف چیزوں کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب چیزیں ووسٹر کو دے دو۔ ان چیزوں میں شکار کیا ہوا ایک ہرن، ایک خرگوش اور دو تیتر شامل تھے۔

ابھی شہزادی کے بتائے ہوئے جانور ووسٹر کو دیے بھی نہیں گئے تھے کہ ریاست وٹن کا بادشاہ اپنے گھوڑے پر شہزادی کے قریب پہنچا اور کہنے لگا،

"یہ جانور تم ووسٹر کو کیوں دے رہی ہو؟ ووسٹر کا آقا نارمن خود بھی ان کا شکار کر سکتا ہے، بلکہ اصول کے مُطابق تو خود اُسے شکار کرنا چاہیے اور اپنے ملازم کی خواہش پوری کرنی چاہیے۔"

"لیکن وہ شکار نہیں کریں گے!" ووسٹر نے شہزادی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بادشاہ سے کہا۔

"کیوں؟" بادشاہ نے مختصر سا سوال کیا۔

"میرے آقا کا کہنا ہے کہ شریف آدمیوں کو بازیا دوسرے شکاری جانوروں کے ذریعہ سے شکار نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنا کام خود کرے کسی اور سے اپنا کام نہ کرائے۔" ووسٹر نے بادشاہ کے سامنے اپنے آقا نارمن کی صفائی پیش کی۔

"واقعی سردار نارمن بہت شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" شہزادی نے اپنی رائے ظاہر کی۔

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو!" بادشاہ نے ووسٹر اور شہزادی دونوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا، "وہ بازیا کوئی اور شکاری جانور استعمال نہیں کرنا چاہتا تو نیزے یا تیر کمان سے شکار کیوں نہیں کرتا؟"

"سرکار! بات یہ ہے کہ....." ووسٹر کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔
"ہاں ہاں۔ کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" بادشاہ نے کہا۔
"سردار نارمن کا خیال ہے کہ ــــ" ووسٹر نے کہا، "انسانوں کے پاس تو تمام ہتھیار ہوتے ہیں لیکن جانوروں کے پاس نہیں ہوتے اور نہتوں پر ہاتھ اُٹھانا نہ تو بہادری ہوتی ہے اور نہ شرافت۔"
"کتنے اچھے خیالات ہیں۔" شہزادی نے سردار نارمن کے خیالات کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔
"ہونہہ! سب بے وقوفی کی باتیں ہیں۔" بادشاہ نے کہا، "میں ایک ایسے درندے کو جانتا ہوں جس کے پاس بڑے تیز ہتھیار بھی ہوتے ہیں۔" پھر بادشاہ نے ووسٹر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "جاؤ اپنے سردار سے کہو کہ ہم کل صبح جنگلی سُوّر کا شکار کریں گے اور اُسے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس جنگلی سُوّر کے باہر نکلے ہوئے بڑے بڑے دانت اور سخت تھوتھنی ہمارے تیز دھار والے ہتھیاروں ہی کی طرح ہوتی ہے۔"
بادشاہ تو یہ حکم دے کر آگے بڑھ گیا اور ووسٹر وہیں کھڑا سوچتا رہ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ شہزادی نے اُسے شکار کیے ہوئے جانوروں کا جو تحفہ دیا تھا وہ ووسٹر کے سامنے پڑا تھا۔ شروع میں اس تحفے کے ملنے کی اُسے جو خوشی ہوئی تھی وہ اب ختم ہو چکی تھی۔ ووسٹر خود بھی شرمندہ تھا کہ اُسے اپنے سردار نارمن کی عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا پڑا تھا۔ حالاں کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سردار نارمن کے شکار نہ کھیلنے کی وجہ یہ نہ تھی جو اس نے شہزادی اور بادشاہ کو بتائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سردار نارمن شکار کھیلنے کے لیے اس لیے نہیں جاتا تھا کہ اسے تو عام چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے بھی ڈر لگتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ جنگل کے جانوروں نے اگر اس پر اپنے نوکیلے دانتوں اور تیز پنجوں سے حملہ کر دیا تو وہ زخمی ہو جائے گا۔ اس کے بدن سے خون بہنے لگے گا۔ اور خون دیکھ کر تو اسے یوں بھی ڈر لگتا تھا۔ اس کے گھر میں جب کوئی مُرغی ذبح کی جاتی تو وہ ڈر کر دُور چلا جاتا تھا۔ تیر کمان اور نیزے اس سے سنبھلتے ہی نہیں تھے۔ سردار نارمن گھوڑے پر بیٹھ تو جاتا تھا لیکن گھوڑا دوڑنے لگے تو آنکھیں بند کر لیتا اور ڈر کے مارے بُری طرح چیخنے چلّانے لگتا۔ ووسٹر یہ تمام باتیں سوچ سوچ کر شرمندہ

ہو رہا تھا کہ اُس نے ناحق اپنے آقا کی عزّت بچانے کے لیے جھوٹ بولا۔ اب دُوسری مصیبت یہ یہ تھی کہ اُسے بادشاہ کا پیغام بھی سردار کو پہنچانا تھا اور وہ جانتا تھا کہ سردار نارمن کی تو شکار کا نام سنتے ہی جان نکل جاتے گی۔ اِس کے علاوہ سردار کی ماں کے غصّے کا بھی ڈر تھا۔ وہ اپنے بیٹے سردار نارمن کو بہت چاہتی تھی۔ اب تک اسے بچّہ ہی سمجھتی۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ ماں کے لاڈ پیار نے ہی سردار نارمن کو بُزدل بنا دیا تھا۔ لیکن اب تو بہر حال ووسٹر کو بادشاہ کا پیغام سردار نارمن کو پہنچانا ہی تھا، اس لیے اُس نے جلدی جلدی شہزادی کے دیئے ہوئے تحفے اُٹھائے اور محل کے اندر جا کر پہلے اپنے کمرے میں اُن تحفوں کو چُھپا دیا، پھر وہ سردار نارمن کے پاس پہنچا۔ اُس وقت سردار نارمن کی ماں بھی اپنے بیٹے کے پاس موجود تھی۔ ووسٹر نے سردار نارمن کو مخاطب کر کے کہا،

"سردار! میرے پاس آپ کے لیے پیغام ہے۔"

"پیغام۔۔۔۔ کس کا پیغام؟" سردار نارمن نے پوچھا۔ اسی وقت اس کی ماں غصّے میں اُٹھ کر ووسٹر کے قریب آئی اور اس طرح گھورنے لگی جیسے ابھی اُسے کچّا ہی کھا جائے گی۔ پھر اُس نے اچانک ووسٹر کی ناک پکڑ کر کھینچ لی اور چیخ کر کہا،

"مجھے معلوم ہے یہ کس کا پیغام لایا ہے۔ شہزادی نے اس ندیدے اور لالچی کو شکار کیے ہوئے جانور دیے ہیں، میں کھڑکی میں سے سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ اُسی شہزادی نے کوئی پیغام بھیجا ہوگا۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنے بیٹے سردار نارمن کو چمٹا لیا اور کہنے لگی،

"ہائے ہائے! نہ معلوم ظالم شہزادی نے میرے بچّے کے لیے کیا پیغام بھیجا ہے!"

ووسٹر نے کہا، "نہیں نہیں، پیغام شہزادی کی طرف سے نہیں بادشاہ کی طرف سے ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو یہ بادشاہ کا حکم ہے جس کی تعمیل کرنی ضروری ہے۔"

"آخر وہ پیغام کیا ہے؟" سردار نارمن نے پوچھا۔

"جناب، بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ کل شکار میں آپ کو بھی اُن کے ساتھ جانا پڑے گا۔ بادشاہ سلامت کل جنگلی سُوَر کا شکار کرنے جا رہے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ کل یہ شکار آپ خود کریں۔" ووسٹر نے کہا۔

بادشاہ کا حکم سُن کر سردار نارمن کی تو جیسے جان ہی نکل گئی، لیکن اس کی ماں نے غصّے میں اُٹھ کر ووسٹر کے کان پکڑ لیے اور کہنے لگی،

"بے وقوف آدمی تمھیں یہ پیغام یہاں پہنچانے کی ہمّت کیسے ہوئی۔ جنگلی سُوَر جیسے خوف ناک درندے کا شکار میرا بچّہ کیسے کرے گا۔ میں ہرگز اپنے بچّے کو اس شکار پر نہ جانے دوں گی۔ اگر میرا بچّہ زخمی ہو گیا تو کیا ہوگا۔ میں تو اسے ہرگز اس شکار پر نہ جانے دوں گی۔"

سردار نارمن اور ووسٹر نے نارمن کی ماں کو سمجھایا کہ بادشاہ کا حکم ٹالنا ممکن نہیں نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو شکار پر تو جانا ہی پڑے گا، اس لیے مجبوراً اس کی ماں نے اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی ساتھ گھر کی تمام خادماؤں کو بُلا کر حکم دیا کہ گھر بھر میں جتنی چادریں اور صاف کپڑے ملیں اُن سب کو پھاڑ پھاڑ کر پٹّیاں بنالی جائیں تاکہ اگر جنگل میں سردار نارمن کو کسی طرح بھی چوٹ لگ جاتے تو یہ پٹّیاں باندھی جا سکیں۔ جب یہ پٹّیاں تیار ہو گئیں

تو سردار نارمن کی ماں نے اپنی خادماؤں کو حکم دیا کہ وہ ان تمام بیٹیوں کو چمڑے کے بہت بڑے تھیلے میں بھر دیں اور صبح جب سردار نارمن شکار کے لیے روانہ ہوں تو ووسٹر اس تھیلے کو اپنے سر پر اُٹھا کر سردار نارمن کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ خادماؤں نے حکم کی تعمیل شروع کر دی، اس کے بعد نارمن کی ماں سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں لیکن اُنھیں نیند کیسے آسکتی تھی، کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اُن کا بیٹا نارمن بہت بُزدل اور کم زور آدمی ہے۔ جنگلی سُوَر کا شکار کرنا اُس کے بس کی بات نہیں، اس لیے وہ گڑگڑا کر دُعائیں مانگنے لگیں کہ،

"اے اللہ! آج صبح ہی نہ ہو۔ سُورج راستہ بھُول جائے۔" وغیرہ وغیرہ، لیکن ایسی دعائیں کبھی قبول ہوئی ہیں جو ان کی دُعا قبول ہو جاتی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور شاہی نقارے کی آواز آنے لگی جس کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی شکار کے لیے جنگل کی طرف جانے ہی والے ہیں، چناں چہ ووسٹر نے سردار نارمن کو تیار ہونے میں مدد دی۔ سردار نارمن کے پاس ایسا کوئی لباس نہیں تھا جسے شکار کے وقت پہنا جاتا ہے، لیکن بڑی دیر تک تلاش کے بعد آخر اُنھیں اپنے مرے ہوئے والد کی الماری میں ایک لباس مل ہی گیا۔ پُرانا ہونے کی وجہ سے کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا لیکن سردار نے اس بات کی پروا نہیں کی اور وہ پُرانا لباس ہی پہن لیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی بادشاہ اور اس کے ساتھی بھی نارمن کے مکان کے قریب پہنچ گئے۔ نارمن اور ووسٹر بھی اپنے مکان سے نکل کر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس وقت سردار نارمن نے شکار کے خاص لباس کے ساتھ ساتھ زرہ بھی پہن رکھی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی جنگ پر جا رہا ہو۔ اسے اس حُلیہ میں دیکھ کر بعض سرداروں اور سپاہیوں نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کر دیا، لیکن اس مرتبہ بھی ووسٹر نے اپنے آقا کی عزت بچالی اور کہا،

"سردار نارمن ایک بہادر آدمی ہیں۔ اپنے وطن کے دُشمنوں سے لڑنے کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے ہیں، اسی لیے وہ کسی بھی وقت زرہ نہیں اُتارتے۔"

ووسٹر کی یہ بات سُن کر دوسرے سب سردار خاموش ہو گئے اور شاہی قافلہ آگے بڑھنے لگا لیکن سردار نارمن اور ووسٹر ان سب سے پیچھے تھے۔ شہزادی دو ایک مرتبہ اپنا گھوڑا

روک کر نارمن کے قریب بھی آئی اور اسے اپنے اپنے ساتھ ساتھ سب سے آگے چلنے کے لیے کہا لیکن ہر مرتبہ نارمن کے بجائے ووسٹر نے جواب دیا کہ اس کا آقا دوسرے شکاریوں کو پہلے موقع دینا چاہتا ہے، حالاں کہ ووسٹر جانتا تھا کہ نارمن آگے صرف اس لیے نہیں جا رہا ہے کہ اُسے ڈر ہے کہ اگر گھوڑے نے دوڑنا یا تیز چلنا شروع کر دیا تو وہ گھوڑے سے گر پڑے گا۔

کافی دیر تک چلنے کے بعد وہ گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ اور دوسرے ساتھی بہت آگے نکل گئے تھے۔ نارمن اور ووسٹر پیچھے پیچھے تھے۔ اب وہ ایسی جگہ تھے جہاں جنگل کے درمیان سے گزرنے والی پگ ڈنڈی میں تھوڑا سا موڑ تھا۔ اس جگہ نہ تو پیچھے رہ جانے والے اپنے آگے جانے والے ساتھیوں کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے اور نہ آگے جانے والے پیچھے والے ساتھیوں پر نظر رکھ سکتے تھے۔ اس لیے ووسٹر اور نارمن اب تقریباً تنہا رہ گئے تھے۔ ووسٹر نے نارمن کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا نیزہ سنبھال لے، کیوں کہ اس علاقے

میں جنگلی سُوَر موجود ہیں اور ان میں سے کوئی کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے، لیکن نارمن تو واپس جانا چاہتا تھا۔ اس نے ووسٹر کے مشورے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اسی وقت قریب کی جھاڑیاں ہلنے لگیں اور ذرا سی دیر بعد ہی ان جھاڑیوں میں سے ایک جنگلی سُوَر نکل آیا۔

جنگلی سُوَر شیر سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب ہمارے ملک پر انگریزوں کی حکومت تھی تو ہندُستان کے بعض علاقوں میں شیروں، جنگلی سُوَروں اور جنگلی کتّوں کو مارنے پر انعام مقرر تھا۔ ایک شیر کو مارنے پر اگر ۲۵ رُپے انعام دیا جاتا تو جنگلی سُوَر کو مارنے پر ۴۰ رُپے اور جنگلی کتّے کو مارنے پر ۵۰ رُپے۔ اس انعام سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ خطرناک جانور ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اس کا جبڑا بہت سخت ہوتا اور اس کے دو تیز اور نکیلے دانت باہر نکلے ہوتے ہیں۔ یہ قد میں ایک بکرے کے برابر یا اُس سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ اس کے حملہ کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ۔ یہ اپنے دُشمن پر تیز دوڑ کر حملہ کرتا ہے اور دُشمن کو ٹکر مارتا ہوا گزر جاتا ہے۔ اس کے دانتوں اور جبڑے کی چوٹ سے انسان کا بدن پھٹ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیر تو پیٹ بھرا ہوا ہو تو انسان کو معاف کر دیتا ہے لیکن جنگلی سُوَر ضرور حملہ کرتا ہے۔

اس وقت بھی جنگلی سُوَر نے جیسے ہی نارمن اور ووسٹر کو دیکھا تو غرّاتے اور حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے اُن پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے گھبرا کر نارمن کا گھوڑا بِدک گیا جس کی وجہ سے نارمن گھوڑے سے گر پڑا۔ اسی وقت آگے جانے والے شاہی قافلے کے شکاری کتّوں کی ناک میں بھی غالباً اس درندے کی بُو پہنچ گئی اور یہ شکاری کتّے زور زور سے بھونکتے ہوئے نارمن کی طرف پلٹ پڑے۔ بادشاہ اور شہزادی نے بھی اپنے گھوڑے موڑ لیے۔ وہ جب ایسی جگہ پہنچے جہاں سے نارمن انھیں نظر آسکتا تھا، انھوں نے دیکھا کہ نارمن گھوڑے سے گر چکا ہے اور جنگلی سُوَر اس پر دوبارہ حملہ کرنے والا ہے۔ شہزادی نے بادشاہ سے نارمن کی مدد کرنے کے لیے کہا، لیکن بادشاہ نے جواب دیا کہ اب وقت گزر چکا ہے کوئی مدد نہیں کی جاسکتی۔

اِدھر ووسٹر نے اپنے آقا کی فوراً مدد کی اور اسے پکڑ کر ایک طرف جھاڑی میں گھسیٹ لیا۔ وہ لوگ جس جگہ تھے وہاں ایسے پتھر بھی نہیں تھے جن سے اس درندے پر حملہ کیا جاسکتا۔ نارمن کا نیزہ تو پہلے ہی دُور گر چکا تھا۔ ادھر وہ سُوَر قریب آتا جا رہا تھا۔ ووسٹر نے چمڑے کا وہ بڑا تھیلا اُس جانور کے پھینک مارا جس میں نارمن کی ماں نے کپڑے کی پٹیاں بھر دی تھیں۔

تھیلا ٹھیک نشانے پر لگا لیکن سُوَر کے دانتوں اور سخت جبڑے سے وہ پھٹ گیا اور پٹیاں اِدھر اُدھر بکھرنے لگیں۔ اتنی دیر میں ووسٹر نارمن کا ہاتھ پکڑ کر ایک دوسری جھاڑی میں گھس گیا تھا۔ یہاں سے وہ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو بھی نظر نہیں آ سکتے تھے۔ اِدھر اس درندے نے اپنے شکار کو یوں بچتے ہوئے دیکھا تو چمڑے کے تھیلے پر ایک اور ٹکر ماردی، لیکن اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھیلے کے اندر بھری ہوئی پٹیاں باہر نکل کر کھل گئیں۔ کچھ تو جنگل میں یوں ہی ہوا چل رہی تھی اور کچھ اس جانور کی بے وقوفی نے اسے مُصیبت میں مبتلا کر دیا۔ ہوا یہ کہ وہ غصّے میں ہر پٹی کے بنڈل کو اپنے جبڑے سے ٹھکراتا اور پٹی کھل کر ہوا میں اُڑنے اور اِدھر اُدھر لہرانے لگتی۔ سینکڑوں پٹیاں جب ایک ہی وقت میں کھل گئیں تو ہوا کی وجہ سے وہ سُوَر سے ہی لپٹ گئیں۔ وہ اُن سے جان چھڑانے کے لیے جتنی اُچھل کود کرتا اتنی ہی وہ پٹیاں اُلجھتی جاتیں۔ یہاں تک کہ کچھ پٹیاں اس کی ٹانگوں میں ایسی اُلجھیں کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وزنی اور بڑا جانور تھا فوراً اُٹھ بھی نہیں سکا۔ ووسٹر کو تو اتنا ہی موقع چاہیئے تھا، اُس نے دوڑ کر نارمن کا نیزہ اٹھالیا اور جنگلی سُوَر کے پیٹ میں گھونپ دیا پھر نارمن کو گھسیٹ کر جانور کے پاس کھڑا کر دیا اور شکار کے پیٹ میں پھنسا ہوا نیزہ اسے پکڑا دیا۔ اتنی دیر میں بادشاہ، شہزادی اور بادشاہ کے دوسرے ساتھی بھی قریب پہنچ گئے۔ انھوں نے نارمن کو یوں نیزہ پکڑ کر کھڑے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ شکار اُسی نے کیا ہے۔ سب لوگوں نے نارمن کی بڑی تعریف کی کہ اُس نے گھوڑے سے گرنے کے باوجود اس خوف ناک جانور کا شکار کر لیا۔ اس طرح یہ انگریز تیس مار خاں نارمن اپنے ملازم ووسٹر کی وجہ سے اچھا شکاری بھی کہلانے لگا۔

بقیہ: "فقیر کے بھیس میں"

سے معافی مانگی اور کہا کہ اس کے بچے کیا سوچیں گے کہ اُن کا باپ گداگری کرتا تھا۔ اس کے بچّوں اور اس کی بیوی کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اس نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اس نے بڑی منّت سماجت کی کہ اس کے راز کو اِفشا نہ ہونے دیا جائے۔ وہ پھر کبھی ایسا نہیں کرے گا۔ شرلاک ہومز نے اس کی سفارش کی اور فقیر کو رِہا کر دیا گیا۔ اب وہ مُہذّب شہری کے طور پر زندگی بسر کر رہا ہے۔

شاہ نُواور پلنگ

معراج

شاہ نواز عرف شاہ تو کی ماں اسے رُبالو کے ہاں چند دن کے چھوڑ گئی تھی۔ رُبالو نے ناک بھوں چڑھا کر کہا،

"خالہ جان! آپ کا بچّہ ہے بہت نکمّا۔ دن رات افیمچیوں کی طرح سوتا رہتا ہے۔ معاف کیجیے گا آپ کے لاڈ پیار نے بھتیا شاہ نو کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔"

رُبالو کی ماں کو دل لگی سُوجھی۔ وہ ہنس کر

بولی "اے بہن! اگر تم اجازت دو تو تمھارے لاڈلے کے سب کس بل نکال دوں؟"
شاہ نو کی ماں مسکرا کر بولی "اے تو بہ بہن! تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو۔ اگر تم شاہ نو کی تربیت نہ کرو گی تو کیا آسمان سے فرشتے اور حوریں آئیں گی؟"
پھر شاہ نو کی ماں نے اس سے کہا "دیکھو اب تم صبح سویرے اٹھ کر اپنی خالہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا اور ان کا ہر کام کرنا۔"
اگلے دن کا ذکر ہے رُبالو کی ماں نے شاہ نو سے کہا "بیٹا ذرا تم بازار سے سودا لے آؤ رُبالو کام میں مصروف ہے۔"
لیکن شاہ نو نے اپنی خالہ کی بات سُنی اَن سُنی کر دی۔ وہ کمرے میں گھسا اور بستر میں لیٹ کر سو رہا۔ رُبالو کی ماں سخت ناراض ہوئی لیکن شاہ نو کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ دن ڈھلے سو جاتا۔ رات کو ذرا دیر کے لیے اٹھتا اور کھانا وغیرہ کھا پی کر پھر سو جاتا۔ پھر وہ دِن چڑھے تک سوتا رہتا۔ اس کی خالہ اسے آوازیں دیتی رہ جاتی لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ اگر کوئی اُس کو گدگدُاتا یا جھنجھوڑتا تو وہ پہلو بدل کر سو جاتا۔ کوئی زیادہ سختی سے ہلاتا جُلاتا تو شاہ نو زور زور سے چیخنے چلانے لگتا۔
"اَمّی کیا آپ اس نالائق گھر گھُسے کا علاج نہیں کر سکتیں؟" رُبالو نے پوچھا۔
"کیوں نہیں بیٹے۔" ربالو کی ماں کچھ سوچتے ہوئے بولی "بس ذرا سا جادُوی مرہم شاہ نو کے پلنگ کے پایوں پر لگانا ہوگا۔"
رُبالو کی ماں نے ایک صندوقچے میں سے مرہم کی ڈِبیا نکالی اور شاہ نو کے پلنگ کے پایوں پر مرہم مَل دیا۔
صبح سویرے رُبالو کی ماں نے شاہ نو کو آواز دی "شاہ نو بیٹے اُٹھو، تمھارا ناشتہ تیار ہو گیا ہے۔ جلدی سے ناشتہ کر کے بازار جاؤ اور مچھلی، ڈبل روٹی اور سبزی وغیرہ لے آؤ۔"
میاں شاہ نو کروٹ بدل کر سو گئے۔ ادھر دونوں ماں بیٹے کھڑکی سے لگے تماشا دیکھنے لگے۔ شاہ نو کا پلنگ کچھ اس طرح چَرچَرایا جیسے انگڑائی لے رہا ہو۔ پھر اس سے ایک مدّھم سی غرّاہٹ کی آواز نکلی۔ پلنگ نے ایک پایا دو تین دفعہ زمین پر مارا۔ دو تین

مرتبہ زور زور سے ہلا، لیکن شاہ تو کچھ ایسی مست نیند سو رہا تھا کہ اس نے کچھ بھی محسوس نہ کیا۔

"ہاں تم جا سکتے ہو۔" رُبالو کی ماں نے پلنگ کو اجازت دی اور اس کے ساتھ ہی پلنگ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا دروازے تک گیا۔ دروازہ ذرا تنگ تھا۔ اس لیے پلنگ سکڑ سمٹ کر باہر نکلا۔ اور گلی میں کھڑا ہو گیا۔

رُبالو کی ماں نے سامان کی فہرست پلنگ پر رکھ دی۔ پلنگ سے ایک چَرچَراتی ہوئی آواز نکلی جیسے وہ خدا حافظ کہہ رہا ہو۔ اس کے بعد پلنگ گلی میں چلنے لگا۔

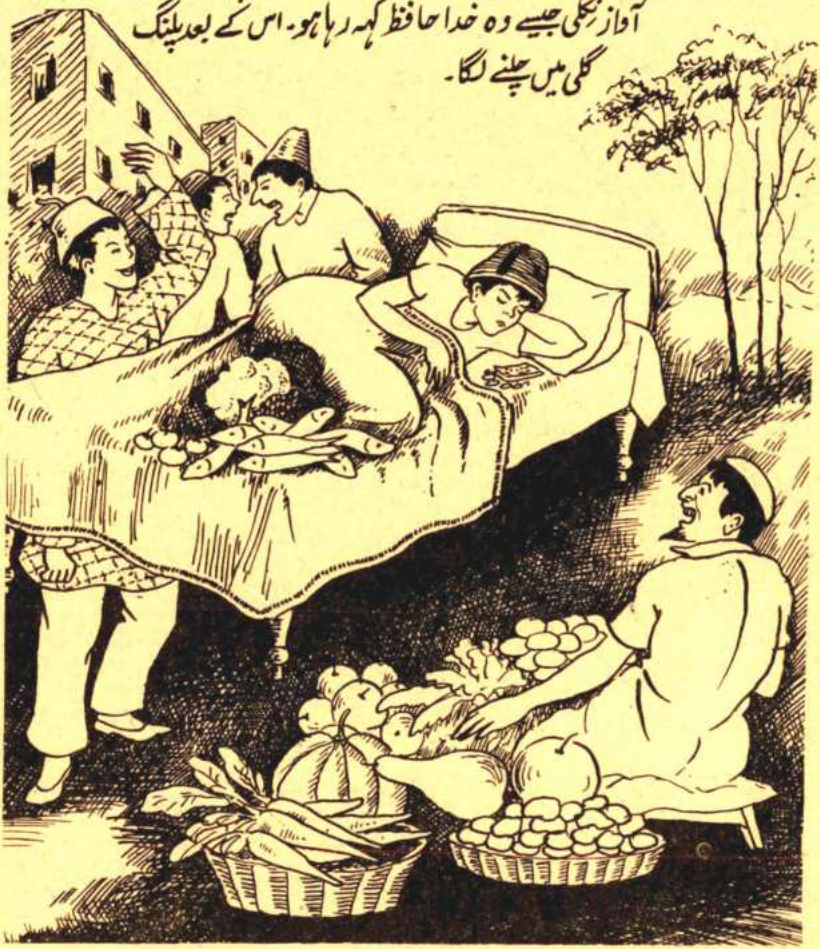

راستے میں راہ گیروں نے یہ تماشا دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے اپنی راہ ہولیے۔ البتہ گلی محلے کے لڑکے تالیاں بجاتے اور قہقہے لگاتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ شاہ نُو ایسی میٹھی نیند سو رہا تھا کہ اُسے کچھ پتا نہیں چلا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔

اتفاق سے ایک موڑ مڑتے وقت پلنگ، خان آتو خان سے ٹکرا گیا۔ انھوں نے آنکھیں مل مل کر دیکھا۔ ہنستے قہقہے لگاتے لڑکوں کو دیکھ کر انھیں یقین آ گیا کہ یہ پلنگ خود ہی یہاں مٹرگشت کرتا پھر رہا ہے۔ پلنگ نے چَرچَرا کر معافی مانگی اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

وہ اب بازار میں جا پہنچا تھا۔ سب سے پہلے وہ مچھیرے کے پاس گیا۔ اس نے پلنگ سے لٹکتی ہوئی پرچی کو پڑھا اور سیر بھر مچھلی تول کر پلنگ پر رکھ دی اور اس پر رکھے ہوئے پیسوں میں سے مچھلی کے دام اُٹھا لیے۔ پلنگ اب نان بائی کی دُکان پر پہنچا۔ اس نے ڈبل روٹی پلنگ پر رکھ دی۔ پھر وہ سبزی والے کی دُکان پر پہنچا۔ اس نے ٹماٹر اور گوبھی رکھ دی۔

پلنگ، قریب سے گزرتی ہوئی ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ کار والے نے زور زور سے ہارن بجایا تو شاہ نُو کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے کروٹ بدلی اور تکیے میں مُنھ چھُپا لیا۔ اس سے اس کا ہاتھ مچھلی سے ٹکرایا اس نے ٹٹول کر دیکھا اور حیران ہو کر بڑبڑانے لگا،

"یہ کیا لچ لچی سی بدبُودار چیز رکھی ہے یہاں۔ شاید یہ مچھلی ہے۔ اور یہ گول مول سی چیز، اوہو یہ تو گوبھی معلوم ہوتی ہے۔"

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ لوگوں نے اسے دیکھ کر قہقہے لگائے اور آوازے کسنے لگے،

"میاں برخوردار صبح ہوگئی ہے، اب تو اُٹھ جاؤ۔"

ایک صاحب بولے، "آج کل تو پلنگ بھی ہوا خوری کے لیے جانے لگے ہیں۔"

ایک شریر لڑکے نے تو حد ہی کر دی۔ اُس نے مچھلی اُٹھا کر میاں شاہ نُو کی ناک پر رکھ دی اور شاہ نو کو اُبکائی آنے لگی۔ وہ بدحواس ہو کر اٹھ بیٹھا اور چھلانگ مار کر پلنگ سے نیچے اُترا اور گھر کی طرف دوڑا۔ پلنگ بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ اس کی چَرچَراہٹ یوں لگ رہی تھی جیسے وہ ہانپ رہا ہو۔ بچوں کا غول تالیاں بجاتا اور قہقہے لگاتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

گھر میں گھستے ہی شاہ نُو نے دروازہ بند کر لیا۔ رُبالو کی ماں نے پُوچھا، "بیٹا صبح صبح تم

کہاں چلے گئے تھے؟"

باہر سے کسی نے دَروازہ پیٹا، کھٹ کھٹ" رُبالو کی ماں نے دروازہ کھولا۔ یہ پلنگ تھا۔ وہ آہستہ سے سمٹ سمٹا کر دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا صحن میں کھڑا ہوگیا۔ شاہ تو پلنگ کو دیکھ کر سسکیاں بھر بھر کے رونے لگا۔

رُبالو کی ماں نے کہا، "مَیں اب سمجھی۔ یہ سب پلنگ کی شرارت ہے۔ کم بخت مُردار نے آج میرے بچے کو پریشان کیا ہے۔"

پھر وہ شاہ تُو سے بولی "اب چُپ ہو جاؤ میرے بچے۔ اور ہاں آئندہ کبھی دیر سے نہ اٹھنا ورنہ یہ پلنگ پھر چہل قدمی کے لیے گلی میں نکل کھڑا ہوگا۔"

شاہ تُو دانت پیس کر پلنگ کی طرف جھپٹا۔ رُبالو کی ماں نے بڑی مشکل سے اُسے روکا پلنگ یوں چَرچَرانے لگا جیسے کہہ رہا ہو "مجھے معاف کردو، آئندہ یہ غلطی نہ ہوگی۔"

بڑی مشکل سے میاں شاہ تُو کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔ جب اُس کی والدہ واپس لوٹی تو شاہ تُو بالکل بدل چکا تھا۔ اب اسے کوئی سُست، کاہل اور افیونی نہیں کہتا بلکہ سب لوگ اسے گلابُوخان اور میاں قندھاری کہتے۔ کیوں کہ صُبح سویرے اُٹھنے کی وجہ سے اس کا چہرہ قندھاری اَنار کی طرح لال گلال رہتا ہے۔

زیادہ قیمت نہ دیں

کُچھ نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ بعض بک اِسٹال والے ان سے ہمدرد نونہال کی قیمت زیادہ وصول کرتے ہیں۔ ہمدرد نونہال کے ہر شمارے میں اس کی فی شمارہ قیمت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ قیمت وصول کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ ہمدرد نونہال کے خریداروں سے درخواست ہے کہ وہ ہرگز زیادہ قیمت ادا نہ کریں بلکہ اگر کوئی زیادہ قیمت مانگے تو اس کے نام اور پتے سے ہمیں مطلع کریں۔

آسمان کے متعلق

آپ کیا جانتے ہیں؟

سوالات

۱ نظامِ شمسی میں کُل کتنے سیارے ہیں؟
۲ سُورج کے چاروں طرف گھومنے والا سب سے بڑا سیارہ کون سا ہے؟
۳ کائنات میں ستارے کس طرح ترتیب دیے گئے ہیں؟
۴ چاند ہماری زمین کے مقابلے میں کتنا ہے؟ پون، چوتھائی، ۳/۴ یا آدھا؟
۵ ہیلے کا دُم دار تارہ کتنے سال بعد نظر آتا ہے؟
۶ (ا) زمین (ب) سُورج کا قُطر تقریباً کتنا ہے؟
۷ جوڈرل بینک کی مشہور رصدگاہ میں کیا دیکھا جاتا ہے اور کس آلے سے؟
۸ چاند زمین کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ جس راستے پر وہ چلتا ہے اُسے مدار کہتے ہیں۔ یہ مدار گول ہے یا بیضوی؟
۹ دُم دار تارے کی دُم کا رُخ کس طرف ہوتا ہے؟
۱۰ زُحل کے حلقے مشہور ہیں۔ یہ کس چیز کے بنے ہیں؟
۱۱ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں ایک خاص غبارے میں ایک ہوا باز اوپر ہوا میں گیا تھا، اس کا نام کیا تھا؟
۱۲ سِتاروں کی بناوٹ معلوم کرنے کے لیے کونسا آلہ استعمال کیا جاتا ہے؟
۱۳ بیضوی راستے سے کیا مُراد ہے؟
۱۴ سُورج پر دَھبّے کس طرح آجاتے ہیں؟
۱۵ بحیرۂ اِسمتھ کہاں ہے؟ یہ نام کس نے رکھا؟

۱۶ ان ستاروں کو کیا کہتے ہیں جو اپنا ایندھن یعنی ہائیڈروجن جلا کر ختم کر لیتے ہیں اور خود بھی ختم ہونے والے ہوتے ہیں؟

۱۷ زمین سے کوئی تیس میل کی بلندی پر اوزون گیس کی تہ پائی جاتی ہے۔ یہ گیس کون سی شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے؟

۱۸ مندرجہ ذیل میں سے کون سا خارج کر دیا جائے؟
زمین، نیپچون، یورینس، عطارد اور مشتری

۱۹ مشتری کے چاروں طرف گیسوں کا جو غلاف چڑھا ہوا ہے اُس میں دو مشہور گیسیں شامل ہیں۔ وہ کون سی گیسیں ہیں؟

جوابات

۱ زمین سمیت کُل نو سیّارے ہیں جو سُورج کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں اور مل کر نظامِ شمسی کہلاتے ہیں۔

۲ اُن نو سیّاروں میں مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے۔ وہ بھی ہماری زمین کی طرح سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے۔

۳ سیاروں کی شکل ایک بڑی طشتری جیسی ہے انھیں کہکشاں کہتے ہیں۔

۴ چاند ہماری زمین کے مقابلے میں ایک چوتھائی کے قریب ہے۔

۵ ہیلے کا دُم دار ستارہ ہر ۷۶ سال بعد زمین سے نظر آتا ہے۔

۶ (ا) زمین کا قُطر ۷۹۰۰ میل اور
(ب) سورج کا قطر ۸۶۴۰۰۰ میل ہے۔

۷ جوڈرل بینک کی مشہور رصدگاہ ریڈیائی ہیئت کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس میں ایک ریڈیو ٹیلے اسکوپ یا ریڈیائی دُوربین نصب ہے جو ریڈیائی سگنلوں کی مدد سے دور دراز ستاروں کا پتا لگاتی ہے۔

۸ زمین کے چاروں طرف چاند کا مدار گول ہے

۹ دُم دار تارے کی دُم کا رُخ سُورج سے دُور ہوتا ہے۔

۱۰ زُحل ہمارے نظامِ شمسی کا ایک سیارہ ہے۔ وہ بھی زمین کی طرح سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے لیکن اس کا مدار دُوسرا ہے۔ اس کے چاروں طرف کچھ خوب صورت حلقے نظر آتے ہیں۔ یہ حلقے چھوٹے چھوٹے شہابیوں سے مل کر بنے ہیں۔

۱۱ اس ہَوا باز کا نام تھا اگسٹ پکارڈ۔

۱۲ سِتاروں کی بناوٹ معلوم کرنے کے لیے اسپیکٹرواسکوپ نامی آلہ استعمال کیا جاتا ہے جسے طیف پیما کہتے ہیں۔

۱۳ سُورج کے چاروں طرف ہماری زمین کا راستہ یا مدار گول نہیں بلکہ بیضوی ہے۔

۱۴ سُورج کی فضا میں نسبتاً ٹھنڈی گیسیں جب اُوپر اُٹھتی ہیں تو اس پر دھبّے نظر آنے لگتے ہیں، لیکن یہ گیسیں پھر بھی بہت گرم ہوتی ہیں۔

۱۵ بحیرۂ اِسمتھ چاند کے دُوسرے رُخ پر واقع ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ نام رُوسیوں نے رکھا تھا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ چاند پر پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں ہے۔ ہاں پُرانے زمانے میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہاں سمندر چھائے ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنی آسانی کے لیے اُن کے مختلف نام بھی رکھ لیے تھے۔

۱۶ ایسے سِتاروں کو "بونا" کہتے ہیں، کیوں کہ وہ اپنا ایندھن ختم کر کے چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سورج ہو یا کوئی دُوسرا ستارہ، ہر ایک میں ہائیڈروجن بھری ہے۔ جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو ستارا بھی ختم ہو جاتا ہے۔

۱۷ اوزون گیس کی تہہ الٹرا وائلٹ یا بالائے بنفشی شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے اور یہ ہمارے لیے اچھا ہی ہے، کیوں کہ یہ ہماری جلد کے لیے مفید نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہاڑی مقامات پر چند روز میں ہی ہمارے چہرے کی جلد جھلس جاتی ہے۔ بلندی پر یہ شعاعیں زیادہ ہوتی ہیں۔

۱۸ عطارد۔ یہ سب سے چھوٹا سیارہ ہے جو سورج سے قریب ترین ہے اور اس کے چاروں طرف گردش کرتا ہے۔ اس فہرست میں اس کی جگہ غلط ہے اس لیے اسے خارج کر دیا جائے۔

۱۹۔ مُشتری کے چاروں طرف گیسوں کا جو غلاف چڑھا ہوا ہے اس میں "لیتھین" اور "ایمونیا" نامی گیسیں زیادہ اِفراط سے موجود ہیں۔

شہزادی زرپاش

معراج

فرحانہ غزنی کے نواب ابو یوسف کی بیٹی تھی۔ نواب کا محل دریا کے کنارے پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ پہاڑی کے دامن میں دریا کے ساتھ ساتھ دور تک نواب کی ریاست پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف خوش حالی، دور دورہ تھا اور لوگ امن چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ نواب بہت ہی نیک طبیعت اور رعایا پرور شخص تھا۔

اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ ریاست کا ہر باشندہ نواب کو ٹیکس میں اشرفیاں ادا کیا کرتا تھا۔ کوئی شخص اس ٹیکس سے مستثنیٰ (چھوٹا ہوا) نہیں تھا۔ بُرے دنوں میں بھی یہ ٹیکس ادا کرنا ضروری ہوتا تھا۔ کیوں کہ نواب بھی ہر سال سلطان کو خراج ادا کرتا تھا۔ اگر کبھی خراج ادا کرنے میں دیر ہو جاتی تو سلطان، غزنی پر حملہ کر دیتا، محل پر قبضہ کر کے وہ ابو یوسف کی جاگیر ضبط کر لیتا۔ اگرچہ سلطان کا کبھی ادھر سے گزر نہیں ہوا تھا پھر بھی اس کے رُعب اور دہشت کا حال یہ تھا کہ سلطان کا ذکر آتے ہی لوگ تھر تھر کانپنے لگتے۔

جب فرحانہ پیدا ہوئی تو نواب ابو یوسف نے سب لوگوں کی دعوت کی۔ چھوٹے بڑے، ادنا اعلا سب لوگوں کو بلایا گیا۔

خاص طور پر انھوں نے بابا قبلائی کو بھی دعوت میں بلایا۔ بوڑھا بزرگ قبلائی دریا کے کنارے رہتا تھا۔ جو کوئی اس کے پاس سے سلام کیے بغیر گزر جاتا قبلائی اُسے اپنے جادو کے زور سے دریا میں غرق کر دیتا۔ اس خوشی کے موقع پر ابو یوسف نے بابا قبلائی کو بھی کو یاد رکھا۔

بابا قبلائی اس وقت پہنچا جب دعوت ختم ہو چکی تھی اور ہر شخص ننھی شہزادی کو تحفے تحائف دے کر رخصت ہو چکا تھا۔ نواب، اس کی بیگم اور آنا شہزادی کے پنگوڑے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دروازہ بہت زور سے کھلا اور بابا قبلائی محل میں داخل ہوا۔ اس کی داڑھی اور سر کے بال گیلے ہو رہے تھے۔ اس کے کپڑوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ سیدھا پنگوڑے کے پاس پہنچا

اُس نے جُھک کر شہزادی کو پیار کیا۔ پھر اُس نے اپنی گیلی انگلی شہزادی کے پاؤں پر پھیری اور بولا، "میری بچی، آج سے لوگ تمہیں شہزادی زریاش فرحانہ کہا کریں گے۔ میں تمھیں سونے کے پاؤں عطا کر رہا ہوں۔ جس روز تم چلنا شروع کرو گی۔ تمہارا دایاں پاؤں سونے کا بن جائے گا۔"

یہ کہہ کر بابا قبلائی محل سے رخصت ہوا۔ اس کے جاتے ہی محل کے تمام در و دیوار نہایت خوف ناک قہقہوں سے گونجنے لگے۔ اچانک فرش میں شگاف پڑ گیا اور اس میں سے ایک بے حد بدصورت کُبڑا نکل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔ یہ جادوگر بوغان تھا۔ نواب اسے دعوت پر بلانا بھول گیا تھا۔

جادوگر بوغان کو دیکھ کر نواب کے اوسان خطا ہو گئے۔ اُس نے بہت معذرت کی لیکن بوغان کا غصہ کم نہ ہوا۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا،

"جب تک تم زندہ رہو گی تمھارے بائیں پاؤں کا موزہ پھٹا ہُوا رہے گا۔ بس یہی کم سے کم سزا ہے جو میں تمھارے لیے تجویز کرتا ہوں۔"

جس طرح وہ اچانک آیا تھا، اُسی طرح شگاف میں کُود کر غائب ہو گیا۔ نواب نے خدا کا شکر ادا کیا اور بولا، "اگر بوغان کوئی سخت سزا سُنا دیتا تو ہم اس کا کیا بگاڑ لیتے۔ لیکن شکر ہے کہ اس نے شہزادی کے لیے بہت معمولی سی سزا تجویز کی۔"

ملکہ بولی، "آپ نے غور نہیں کیا کہ بابا قبلائی کا تحفہ بھی کسی سزا سے کم نہیں۔ جب ہماری بیٹی جوان ہو گی تو ہم اس کی شادی کیسے کریں گے؟ کوئی شخص بھی اپنی بیوی میں ایسا عیب پسند نہیں کرے گا۔"

نواب بولا، "ہمیں شہزادی فرحانہ کے پاؤں ہر وقت چھُپائے رکھنے پڑیں گے، تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔"

بیگم بولی، "خوش قسمتی سے اس وقت سب مہمان جا چکے ہیں۔" پھر وہ فرحانہ کی اَنّا سے مخاطب ہوئی، "بی بی تم بھی اس راز کو چھُپائے رکھنا۔ یہ راز ہم تینوں کے درمیان ہی رہے گا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔"

اُس دن سے اَنّا دن بھر شہزادی کے لیے موزے بُننے میں مصروف رہتی تاکہ جس دن

سے شہزادی چلنا سیکھے، اُسی دن اسے موزے پہنا دیے جائیں۔
جس دن شہزادی نے پہلا قدم اُٹھایا۔ انّا نے فوراً اسے پکڑ کر گود میں اُٹھالیا اور اس کے پاؤں میں موزے پہنا دیے، کیوں کہ اگر کسی نوکر یا نوکرانی کی نظر پڑجاتی تو یہ خبر پورے مُلک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی۔
اس وقت سے شہزادی فرحانہ کے پاؤں میں ہر وقت موزے رہتے۔ انّا ہی رات کے وقت اندھیرے میں موزے تبدیل کرتی تاکہ کوئی شخص شہزادی کا دایاں پاؤں نہ دیکھ سکے۔ شہزادی کا بایاں پاؤں محل کے ہر شخص نے دیکھا، کیوں کہ جب بھی اسے موزے پہنائے جاتے وہ ایڑی کے پاس سے پھٹ جاتے۔ یہ بوغان کے جادُو کا اثر تھا۔ پہلے پہل تو انّا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد موزہ بدل دیتی، آخر تنگ آکر اُس نے نواب سے کہا، "سرکار! شہزادی کو بار بار موزے پہنانے کا کوئی فائدہ نہیں، ہم موزے کو پھٹنے سے نہیں بچا سکتے۔ مناسب تو یہ ہوگا کہ شہزادی کو جُوتے پہنا دیے جائیں۔"
جب شہزادی ذرا بڑی ہوگئی تو اسے جُوتے پہنا دیے گئے۔ وہ بے چاری دن بھر جوتے پہنے پہنے تنگ آجاتی لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ شہزادی کو یہ مصیبت جھیلتے ہوئے اٹھارہ برس ہوگئے۔ اب وہ جوان ہوگئی تھی۔ اس کی خوب صورتی کا دُور دُور تک چرچا تھا۔ بہت سے نوجوان امیرزادوں اور شہزادوں کے رشتے کے پیغام آئے لیکن شہزادی فرحانہ نے انھیں نامنظور کر دیا۔
ایک سال بارش بہت کم ہوئی، فصلیں خراب ہوگئیں اور بے چارے کسان دانے دانے کو محتاج ہوگئے۔ سال کے آخر میں لوگ اکٹھے ہو کر محل کے دروازے پر فریاد کرنے لگے۔ گاؤں کے چودھری نے کہا،
"سرکار، ہماری ہمتّیں ٹوٹ چکی ہیں اور ہمارے پاس پھوٹی کوڑی تک باقی نہیں بچی۔ حضور اس سال ہم ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔"
نواب نے کہا، "اگر تم مالیہ (ٹیکس) ادا نہیں کرو گے تو میں سلطان کو خراج ادا نہ کرسکوں گا۔ پھر سلطان قہر بن کر ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔ نہ میرا تخت و تاج سلامت رہے گا اور نہ تمھارے گھر بار باقی رہیں گے۔"

ایک کسان نے کہا، "عالی جاہ! ہمارے بچے فاقوں مر رہے ہیں۔ ہمارے کھلیانوں میں مٹھی بھر اناج بھی باقی نہیں رہا۔ سرکار، اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم خوشی خوشی آپ کی نذر کر دیتے، لیکن جب ہمارے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو ہم کیا نذرانہ پیش کریں؟"

اب نواب یہ جواب سُن کر بے حد ناراض ہوا۔ فرحانہ نواب کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولی، "ابّا حضور، یہ بے چارے واقعی بہت مجبور ہیں۔ ہمیں خدا کی ذات سے اُمید رکھنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ خراج کی ادائیگی کے اسباب پیدا کر دے یا سُلطان کے دل میں رحم ڈال دے۔"

شہزادی فرحانہ کی مُسکراہٹ دیکھ کر نواب کا دل بھی موم ہو گیا۔ وہ بولا، "اچھا بھئی، اب جو مصیبت بھی نازل ہو گی، ہم سب مِل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔"

کسانوں نے نواب کا شکریہ ادا کیا اور شہزادی فرحانہ کو دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔

لیکن سُلطان کا پتھر دِل نرم نہیں ہوا۔ اُس نے نواب کے علاقے پر چڑھائی کر دی۔ بے چارے نواب کو گرفتار کر کے سُلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

سُلطان نے پوچھا، "تم نے خراج ادا کرنے میں اتنی دیر کیوں کی؟"

نواب نے خشک اور اُجڑے ہوئے کھیتوں کی طرف اشارا کر کے کہا،

"حضورِ عالی! میری آمدنی کا ذریعہ یہ کھیت ہیں۔ انھی کسانوں سے حاصل کیے ہوئے مالیہ (ٹیکس) کو میں آپ کی نذر کیا کرتا ہوں۔"

سُلطان نے کہا، "مجھے رُپیہ چاہیے۔ میں یہاں تمھاری تقریر سننے کے لیے نہیں آیا ہوں اگر تم مجھے خراج ادا نہیں کر سکتے تو میں تمھاری جائیداد ضبط کر لوں گا اور ان دیہاتوں کو رَوند کر تباہ و برباد کر دوں گا۔"

سُلطان جب یہ بات کہہ رہا تھا تو نواب کی بیٹی فرحانہ اُدھر آ نکلی۔ فرحانہ نے سفید ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے سُنہرے بال اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ سُلطان فرحانہ کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے پوچھا، "یہ خاتون کون ہے؟"

نواب سینے پر ہاتھ رکھ کر جُھک گیا اور بولا، "سرکار، یہ آپ کے نمک خوار کی دُختر (بیٹی) ہے۔"

سُلطان بولا، "بہت خوب، میں خراج کی رقم کے بدلے تمھاری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا

ہوں۔ تمھیں اِس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں ؟"

نوّاب ادب سے بولا، "اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے عالی جاہ، مجھے یہ رشتہ دل و جان سے منظور ہے۔"

شہزادی فرحانہ اپنے باپ کا فیصلہ سُن کر بالکل زرد پڑ گئی، لگی کانپنے۔ سلطان کی نظر فرحانہ کے جُوتوں پر پڑی۔ وہ تیوری چڑھا کر بولا، "سُلطان کے سامنے جوتے پہن کر کھڑا ہونا آداب کے خلاف ہے۔"

نواب ہاتھ جوڑ کر بولا، "حضور، خطا معاف فرمائیے، یہ ابھی نادان ہے اور شاہی دربار کے اَدب آداب سے ناواقف ہے۔"

پھر وہ فرحانہ سے مخاطب ہو کر بولا، "بیٹی، تم جُوتے اُتار دو۔"

فرحانہ کو جُوتے اُتارنے پڑے۔ اب سُلطان نے اس کے پھٹے ہوئے موزے کو دیکھا تو بولا، "میں اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میری ہونے والی بیگم پھٹے ہوئے موزے پہنے۔"

نواب نے کہا، "بیٹی فرحانہ، جاؤ دوسرے موزے پہن کر آؤ۔"

فرحانہ نے موزے تبدیل کیے لیکن وہ بھی ایڑی کے پاس سے پھٹ گئے۔ اس نے تیسرے موزے پہنے۔ وہ بھی پھٹ گئے۔ آخر تنگ آ کر وہ پھٹے ہوئے موزے کے ساتھ ہی آ گئی۔ سُلطان کا پارہ یک لخت چڑھ گیا۔ وہ چیخ کر بولا،

"تم خوب صورت بے شک ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی تم نافرمان، ضدی اور سرکش بھی ہو۔ میں ایسی گستاخ لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ نواب ابُو یوسف، تم فوراً ہمارے خراج کا بندوبست کرو۔ اگر کل تک مجھے رقم نہ ملی تو میں تمھیں اس ریاست سے بے دخل کر دوں گا، تمھاری رعایا کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور تمھاری اس نافرمان اور ضدی لڑکی کو اپنی کنیز بنا کر لے جاؤں گا۔"

سلطان یہ دھمکی دے کر چلا گیا۔ نواب ابُو یوسف اپنی بیٹی پر برس پڑا، "یہ مصیبت صرف تمہاری وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ کاش کہ تم میری بیٹی نہ ہوتیں یا پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ تم فوراً میری نظروں سے دُور ہو جاؤ اور کبھی اپنا منہ مجھے نہ دکھانا۔ یہ موزے بھی اتار دو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ سونے کا پاؤں ہونے کے باوجود تمہاری قسمت کی سیاہی

دُور نہ ہو سکی۔"

یہ کہہ کر نواب نے اپنے آپ ہی فرحانہ کے پاؤں سے موزے کھینچ کھینچ کر اتار دیے۔ جب شہزادی کے دائیں پاؤں کا موزہ اُترا تو نواب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دایاں پاؤں سونے کا بنا ہوا نہیں تھا۔ نواب حیرانی سے سوچنے لگا کہ آخر بابا قبلائی کا اس سے کیا مطلب تھا؟ لیکن جلد ہی یہ خیال اس کے ذہن سے نکل گیا اور پھر غصّے کا غلبہ ہوا۔ وہ شہزادی فرحانہ کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر محل کے باہر لایا۔ وہاں غریب کسانوں اور لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ نواب ان سے مخاطب ہو کر بولا

"میرے غریب عوام! میں اب تمھاری ہی طرح پریشان حال ہوں، بلکہ شاید تم سے بھی بدتر ہوں۔ یہ سب اس بدبخت کی نحوست ہے۔ ہے کوئی جو اس بدحال فقیر کی بدنصیب بیٹی کا طلب گار ہو؟"

سب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ہر کوئی دبی دبی آواز میں یہی کہہ رہا تھا کہ، شہزادی منحوس ہے۔ جس کے گھر جائے گی وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ ان لوگوں میں ایک چرواہا بھی شامل تھا۔ وہ ان فضول توہّمات (وہمی باتیں) پر بالکل یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور بولا،

"عالی جاہ! اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کی عالی قدر شہزادی کا ہاتھ تھامنے کے لیے تیار ہوں۔"

شہزادی نے سر ہلا کر منظوری دے دی۔ نواب نے ایک سنگ دِلانہ قہقہہ لگایا اور شہزادی فرحانہ کا ہاتھ چرواہے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اُسی وقت قاضی کو بلوا کر نواب نے چرواہے سے فرحانہ کا نکاح پڑھوا دیا۔ چرواہا اپنی بیوی کو لے کر خوشی خوشی اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ فرحانہ کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ننگے پاؤں چلی جا رہی تھی۔ لیکن ایک بہت ہی عجیب بات واقع ہوئی۔ جہاں شہزادی فرحانہ کا دایاں قدم پڑتا وہ ایک اشرفی چھوڑ جاتا، چناں چہ شاہی محل سے چرواہے کی جھونپڑی تک اشرفیوں کی قطار بن گئی۔ لوگ حیرت سے چلّانے لگے،

"شہزادی نہیں ہے، یہ تو زر پاش (سونا لُٹانے والی) ہے۔ فرحانہ جہاں کہیں سے گزرتی، وہ اشرفیوں کی قطار چھوڑتی چلی جاتی۔ آدھی رات کے وقت تک گلی کوچوں میں اتنی اشرفیاں جمع ہو گئیں کہ کسان اور مزدور صبح تک اشرفیاں اکٹھی کر کر کے تھیلوں میں بھرتے رہے۔ انھوں نے اشرفیوں کے یہ تھیلے نواب کی خدمت میں پیش کر دیے۔ نواب کی خوشی کی حد نہ رہی۔ اس نے سلطان

کو خراج کی رقم بھجوا دی۔ اس نے پوچھا یہ سب رُپیہ کہاں سے آگیا؟"
جب اسے بتایا گیا کہ یہ سب اس کی بیٹی کا کمال ہے، تو نواب فوراً ایک گاڑی میں سوار ہوکر چرواہے کی جھونپڑی میں پہنچا۔ اس نے فرحانہ سے کہا،
"بیٹی، میری عزیز بیٹی، تم میرے ساتھ محل میں واپس چلو۔"
فرحانہ ہنس کر بولی، "ابا جان! محل اور اُس کی آسائشیں آپ کو کو مبارک ہوں۔ اب میں شادی شدہ ہوں۔ میرے لیے میرا گھر ہی جنّت ہے۔"
نواب بہت شرمندہ ہوا۔ فرحانہ بولی، "ابّا جان، اب میں کبھی جُرابیں نہ پہن سکوں گی ورنہ میرے پاؤں کی تاثیر جاتی رہے گی۔ اب آپ اور آپ کی رعایا کو غریبی کی لعنت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائے گا۔"
نواب ابُو یوسف اپنی بیٹی سے گلے مل کر رخصت ہوا۔ شہزادی فرحانہ، اس کا شوہر اور بچّے ابھی تک اس جھونپڑی میں رہتے ہیں اور وہ سب کے سب ننگے پاؤں رہتے ہیں۔

دِل چسپ لطیفے بھیجیے

ہم ہر ماہ رنگ برنگی پھلجھڑیاں کے عنوان سے نونہالوں کے بھیجے ہوئے لطیفے شائع کرتے ہیں۔ نونہالوں سے درخواست ہے کہ وہ نئے اور دل چسپ لطیفے ہمیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں ارسال کریں۔ پرانے اور گھِسے پٹے لطیفے نہ بھیجیں۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ لطیفے نئے ہوں۔ نونہالوں کے بھیجے ہوئے لطیفوں میں سے ہم بہت محنت کے ساتھ لطیفے انتخاب کرتے ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بھیجے ہوئے لطیفے شائع ہوں تو اچھے اور دل چسپ لطیفے لکھیے۔

مُنّے ! فرنیچر لکڑی سے اور کاپی کاغذ سے بناتے ہیں۔ بتاؤ پتلون کس چیز سے بناتے ہیں؟
جناب ! ابّا جان کی پُرانی پتلون سے۔

شامِ ہمدرد

کراچی، ۲۱- اپریل ۱۹۷۷ء

مُذاکرہ

اقبال شناسی

بہ تقریبِ جشنِ صد سالۂ علّامہ اقبالؒ

علّامہ اقبال شاعرِ مشرق ہیں، مُفکّرِ ملّت اور حکیم الاُمت ہیں، تصورِ پاکستان کے خالق ہیں. علّامہ اقبال کے افکار نے، ان کے پیغام اور کلام نے ملّت کو نئی راہوں اور نئی منزلوں سے رُو شناس کیا، درسِ خودی دیا، برّصغیر کے مسلمانوں کو عرفان و آگہی، سوزِ دُروں اور بلند رنگی کے جوہر عطا کیے۔

حکیم محمد سعید

پروفیسر ممتاز حسین
مہمان مقرّر

جناب شان الحق حقّی
میزبان مقرّر

ڈاکٹر احسان رشید
صدر مجلس

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی
مہمان مقرّر

قُطبِ شُمالی کی ایک رات

آپ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ ہماری زمین کے دو قُطب ہیں۔ ایک شمالی دوسرا جنوبی۔ ہماری زمین گول ہے اور ایک لٹو کی طرح سُورج کے سامنے گھومتی ہے۔ جتنے حصّے پر سُورج کی روشنی پڑتی رہتی ہے وہاں دن رہتا ہے اور جتنے حصّے پر روشنی نہیں پڑتی وہاں رات رہتی ہے۔

اگر کسی دِن اس نظام میں فرق پڑ جائے، سورج کہیں چلا جائے یا زمین کی گردش تھم جائے تو کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ ہماری زمین اندھیرے میں ڈوب جائے گی، ہر طرف رات ہی رات ہوگی اور زندگی مشکل ہو جائے گی۔ ہم تو صرف بارہ چودہ گھنٹے کی رات کے عادی ہیں، اس سے زیادہ نہیں، لیکن ہماری زمین کے شمالی قطب پر سال میں تقریباً چھ ماہ سورج غائب رہتا ہے اور وہاں اتنی ہی لمبی رات رہتی ہے۔ اکتوبر میں وہاں سُورج چھُپ جاتا ہے اور پھر کہیں مارچ میں نظر آتا ہے۔ درمیان کے چھ ماہ اندھیرا ہی رہتا ہے لیکن ایسا اندھیرا نہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہ آئے۔ سورج آسمان کے نیچے ضرور رہتا ہے لیکن اس میں سے کچھ ایسے برقی ذرّے نکلتے رہتے ہیں جو وہاں کی فضا کو روشن کر دیتے ہیں۔ ہلکی ہلکی رنگین روشنی چاروں طرف پھیلی رہتی ہے۔ برف پر اس کے رنگ بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ روشنیِ فلق یا قطب روشنی کہلاتی ہے اور اس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ زمین پر شاید ہی کہیں اتنا خوب صورت منظر دیکھنے میں آتا ہو۔ انگریزی میں اس روشنی کو اورورا AURORA کہتے ہیں۔

روشنی کیا ہوتی ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان سے جھل مل کرتے ہوئے رنگ برنگے پردے نیچے لٹک رہے ہیں۔ یہ پردے برابر اپنا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی رنگین کرنیں آسمان پر دُور تک اندر چلی جاتی ہیں۔ یہ رنگ ہر لحظہ بدلتے رہتے

ہیں۔ نیچے دُور تک برف یا برف کے سفید تُودے نظر آتے ہیں۔ جب یہ رنگ سفید برف پر کھلتے ہیں تو بڑا ہی خوب صورت منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

اس علاقے کا ایک سیّاح ڈاکٹر نانسن تھا جسے اپنی بہادری کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ اُس نے اپنے بحری جہاز کے عرشے سے یہ منظر خود دیکھا اور اس کے متعلق اپنی ڈائری میں یہ لکھا ہے:

"قطب روشنی سے ہمارے جہاز کا عرشہ چمک اٹھا۔ برف سے جب یہ روشنی ٹکرا کر واپس آتی تھی تو اور خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ الفاظ میں اس خوبصورتی کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ روشنی کے ان رنگین پردوں میں کبھی وہ رنگ نظر آتے تھے جو ہم زمین پر قوسِ قُزح میں دیکھتے ہیں اور کبھی ان رنگوں کا ایک حسین اِمتزاج یا میل جول دکھائی دیتا تھا۔ بنفشی اور سُرخ رنگ زیادہ نظر آتے تھے۔ کبھی پردوں کے بجائے قوسِ قزح کی طرح ایک چوڑی رنگین کمان کھنچی نظر آتی تھی جو خوب اوپر جا کر آسمان میں گُم ہو جاتی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ رنگ مستقل طور پر اپنی شکل اور جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیچھے کوئی طوفان آ رہا جو اُنھیں بدلنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

ہم بّرِاعظم ایشیا میں رہتے ہیں۔ اس کے انتہائی شمالی حصّے میں یہ رنگین منظر دیکھنے میں آتا ہے لیکن ہمیں وہاں جانے کا موقع نہیں مل سکتا۔ ہم صرف تصویروں ہی میں یہ خوب صورت منظر دیکھ سکتے ہیں۔ اس دُور دراز علاقے میں ایک جانور زندہ رہ سکتا ہے اور وہ ہے قطبی ریچھ۔ یہ جانور اس سرد آب و ہوا میں اچھا بھلا رہتا ہے بلکہ خوب موٹا ہوتا ہے۔ جاڑوں ہی میں اُس کے بچّے پیدا ہوتے ہیں۔ دو مہینے تک یہ بچے برف کے غاروں ہی میں رہتے ہیں۔ ان کی ماں انھیں باہر نہیں لاتی۔ جب مارچ کا مہینہ آتا ہے اور سُورج اپنا چہرہ دکھاتا ہے تو بچّوں کی ماں انھیں باہر لاتی ہے۔ پہلی مرتبہ یہ بچّے روشنی دیکھتے ہیں اور اپنے چاروں طرف کی دُنیا پر نظر ڈالتے ہیں۔ اِن ان بچّوں

کو بعض باتیں سکھاتی ہے جو وہاں زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں۔ مارچ ہی میں قطب روشنی اپنے عُروج پر ہوتی ہے۔ ریچھ کے بچّے اسے دیکھتے ہیں تو سہم جاتے ہیں۔ تھوڑے دن بعد سورج نکل آتا ہے اور پھر چھ ماہ تک غروب ہونے کا نام نہیں لیتا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قطب شمالی پر چھ ماہ دن رہتا ہے اور چھ ماہ رات۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اپنے پیارے ملک میں پیدا ہوئے ہیں جہاں کے دن رات بھی اچھّے ہیں اور موسم بھی۔

عَنبر کے کیا کہنے

ضیاالحسن ضیاؔ

عَنبر کے کیا کہنے   اَچھے کپڑے پہنے
مکتب پڑھنے جائے   سب کے دل کو بھائے
دیکھو اس کا بستہ   کیسا صاف اور سُتھرا
مُنّے مُنّے ہات   پیاری پیاری بات
لمبے لمبے بال   بانکی اس کی چال
امّی ابّو بھیّا   اس کو کہتے گُڑیا
ننھّی مُنّی عَنبر
چمکے سُورج بن کر

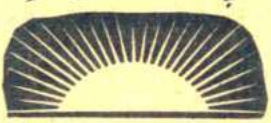

ان سوالوں کے جوابات ۲۰ جولائی ۱۹۷۷ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ جوابات کے ساتھ سوائے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے۔ لفافے پر معلومات عامہ ۱۳۵ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات کے ساتھ تصویر بھی بھیجیں تو تصویر پر کچھ نہ لکھیے۔ بلکہ اس کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام لکھ دیجیے۔

۱۔ ذیل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین غزوات کے نام دیے گئے ہیں۔ اِن میں سے پہلے غزوہ کا نام بتائیے۔
(ا) غزوۂ اُحد (ب) غزوۂ بدر (ج) غزوۂ خندق

۲۔ اِن ملکوں میں سطحِ سمندر سے سب سے زیادہ اونچا ملک کون سا ہے؟
(ا) تبت (ب) گلگت (پاکستان) (ج) افغانستان

۳۔ پاکستان سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس کا نام لکھیے۔
(ا) جناب جسٹس اے آر کارنیلیس (ب) جناب جسٹس میاں عبدالرشید (ج) جناب جسٹس محمد منیر

۴۔ بتائیے پاکستان میں دن کے بارہ بجے ہوں تو سعودی عرب میں کیا وقت ہوگا؟

۵ مشہور مورخ ابنِ بطوطہ کس ملک سے تعلق رکھتا تھا؟
(ا) ترکی (ب) لیبیا (ج) مراکش

۶۔ "وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں" نعت کا یہ شعر کس کا لکھا ہوا ہے؟
(ا) بہزاد لکھنوی (ب) ماہر القادری (ج) ظفر علی خان

۷۔ دُنیا کے سب سے زیادہ گنجان آباد ملک کا نام لکھیے۔
(ا) امریکا (ب) موناکو (ج) سنگاپور

۸۔ خلافتِ راشدہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت علیؓ تک) کی کل مدت کتنی ہے؟
(ا) ۲۹ سال (ب) ۴۰ سال (ج) ۳۰ سال

۹۔ برطانیہ کی سب سے قدیم یونی ورسٹی کون سی ہے؟ (ا) کیمبرج (ب) ایڈنبرا (ج) آکسفرڈ

۱۰۔ روشنی کی رفتار کیا ہے؟
(ا) 186,280 میل فی سیکنڈ (ب) 200,000 میل فی سیکنڈ (ج) 300,000 میل فی سیکنڈ

نونہال مُصوّر

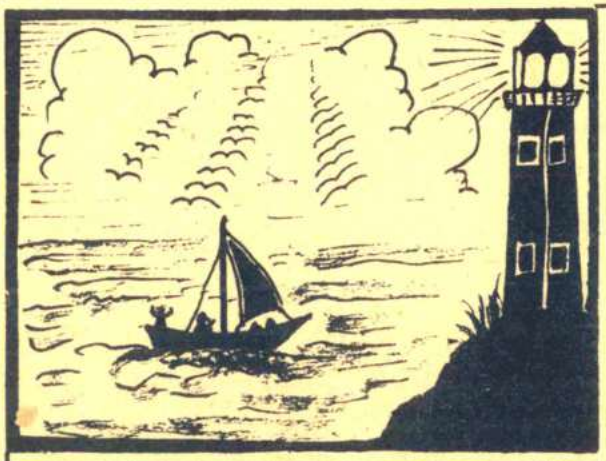

ڈائمنڈ، جھنگ

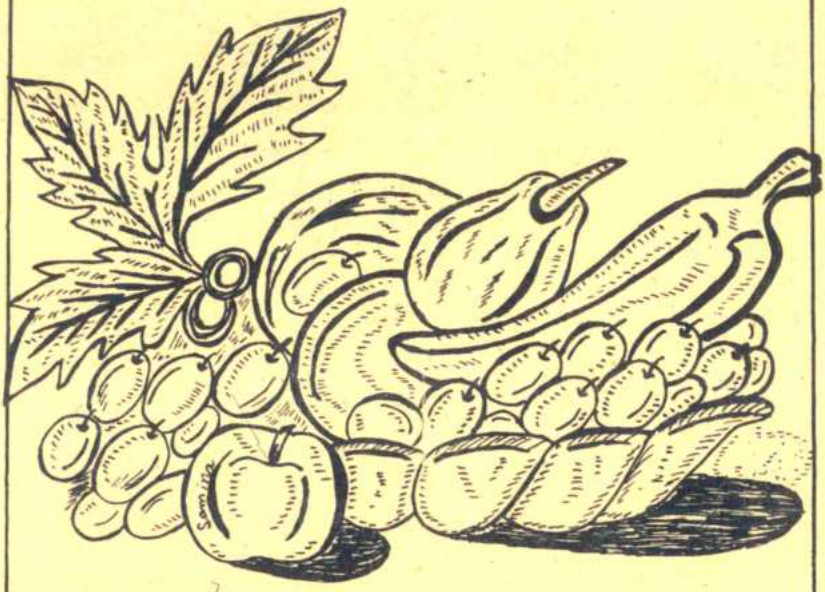

ثمینہ اسلم، لاہور

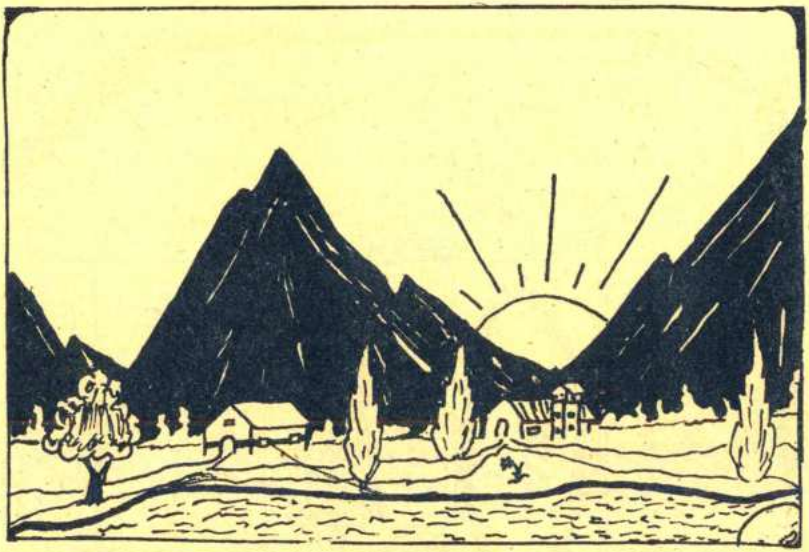

ضیاء الاسلام۔ واہ کینٹ

محمد ابراھیم علی خان۔ ٹنڈو الہ یار

سمیع الدّین ساجد صدّیقی —— پُرانا سکھ

کیا آپ ان الفاظ کے معنی جانتے ہیں؟

ہر لفظ کے سامنے تین معنی (ا، ب، ج) لکھے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک معنی صحیح ہیں۔ آپ کے خیال میں جو معنی صحیح ہوں اُن پر پنسل سے نشان لگا لیجیے اور صفحہ ۱۰۸ پر دیے ہوئے جوابات سے مِلا کر اپنی قابلیت کا اندازہ کیجیے۔

۸ صحیح جوابات اوسط قابلیت۔ ۱۰ صحیح جوابات، بہتر قابلیت اور ۱۳ صحیح جوابات اعلا قابلیت ظاہر کرتے ہیں۔

الفاظ	ا	ب	ج
۱۔ کامران	فتح مند	حملہ آور	کام یاب
۲۔ غاصِب	غافِل	حق چھیننے والا	شرارتی
۳۔ زِمام	لگام	انتظام	قبضہ
۴۔ گُتھی	تھیلی	گرہ	تکلیف
۵۔ بَصیرت	نظر	رَوشنی	دانائی
۶۔ اِنکِشاف	ظاہر ہونا	دریافت	ایجاد
۷۔ شَرَف	بزرگی	ملاقات	شان
۸۔ غَیُور	دلیر	شریف	غیرت رکھنے والا
۹۔ کَھرَب	سوکروڑ	سوارب	ہزارارب
۱۰۔ مُتحَرِّک	حرکت کرنے والا	حرکت میں لایا ہوا	حرکت
۱۱۔ تُندخُو	بدمزاج	بداَطوار	بددماغ
۱۲۔ متوالے	نشے میں چُور	بے ہوش	دیوانے
۱۳۔ قطعی	ہرگز	یقینی	ٹھیک
۱۴۔ بے بس	مجبور	بے گھر	بے زر
۱۵۔ دشت	ریگستان	جنگل بیابان	میدان
۱۶۔ شعبدہ	نمونہ	کھیل	دھوکا، نظر بندی
۱۷۔ تاسیس	بنیاد رکھنا	چبوترہ	یادگار

صحت مند نونہال

سلیمہ افضال، کراچی

عامر مفتی، اسلام آباد

مستقیم آفریدی، کراچی

محمد ابراہیم بودلہ، بہاول نگر

سیما حبیب، اسلام آباد

اسد علیم عرشی، کراچی

سید شاہ حبیب، کراچی

عارف عزیز شمسی، لاڑکانہ

محمد اقبال، کراچی

امجد علی، کراچی

عاشق بن شفیق، حیدرآباد

محمد عبداللہ، کراچی

محمد سلیم، کراچی

ثمینہ امیر محمد، کراچی

یم ارشاد بندھانی، کراچی

بچّوں میں دانتوں کی حفاظت کا احساس پیدا کیجیے
انہیں صبح وشام نیموڈینٹ سے
دانت صاف کرنے کی عادت ڈالیے

بچوں کو دانتوں کی صفائی پر مائل کرنا اب کچھ مشکل نہیں۔ ان میں یہ صحت مند عادت ڈالنے کے لئے لیموں' انناس اور اسٹرابیری ذائقہ کا نیموڈینٹ خاص طور پر تیار کیا گیا ہے۔ نیم جیسے آپ کے مسوڑوں اور دانتوں کے لئے مفید ہے ویسے ہی بچوں کے ناپختہ دانتوں اور نرم و نازک مسوڑوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس سے زندگی بھر مسوڑے صحت مند اور دانت خوش آب رہتے ہیں۔ بچوں کا نیموڈینٹ ان کے دانتوں' مسوڑھوں کی طرح نازک ہے۔

بچوں کے لئے خصوصی پیکنگ ۳ ذائقے: لیموں' انناس' اسٹرابیری

نیموڈینٹ

نیم کے موثر جوہر سے تیار کیا ہوا ٹوتھ پاؤڈر۔ گھر میں سب کے لئے یکساں مفید

بڑوں کے لئے نیموڈینٹ الگ پیکنگ میں دستیاب ہے

ہمدرد

Adarts H/NDT 4/73

کتابیں اور ہمارے بزرگ

آج کل جدھر دیکھیے کتابوں رسالوں اور اخباروں کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں۔ پریس ایجاد ہونے سے کتابوں کی کمی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ انسان نے صدیوں کی کوشش کے بعد بولنا، پڑھنا، اور لکھنا سیکھا۔ پہلے دُنیا کے ہر حصّے اور زبان میں لکھائی کا کام ہاتھ ہی سے ہوتا تھا۔ اِنسان بڑی محنت سے کاغذ بناتا پھر اس پر اپنی معلومات اور دوسری باتیں لکھتا۔ یہ کتابیں مہینوں اور برسوں میں نقل کی جاتی تھیں۔ اس لیے ان کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اور بہت کم لوگ کتابیں پڑھ سکتے تھے۔ عِلم کی شمع کے پروانوں کو کتابیں حاصل کرنے میں بڑی مشکل ہوتی تھی۔ ایک ایک کتاب پڑھنے کے لیے انھیں میلوں سفر کرنا پڑتا تھا۔ لیکن علم کے پیاسے تمام مشکلات جھیل کر اپنی پیاس بجُھا ہی لیتے تھے۔ جنھیں موقع ملتا وہ اچھی کتابوں کی نقل کر لیتے۔ اِس کام کے لیے یہ لوگ راتوں کی نیند تک نذر کر دیتے۔ پُرانے زمانے کے طالب علم اپنے لیے پوری پوری کتابیں نقل کر لیتے تھے۔ انھیں ہماری طرح چند پیسے خرچ کر کے پڑھنے کے لیے کتابیں نہیں ملتی تھیں۔

شقائق نعمانیہ میں لکھا ہے:

"شروع میں جب علامہ تفتازانی کی کتابیں شام کے شہروں میں لائی گئیں تو لوگ ٹوٹ پڑے۔ چوں کہ کتابیں چھپی ہوئی نہیں تھیں بلکہ ہاتھ سے لکھی گئی تھیں، اس لیے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ لوگوں کو پیسے خرچ کرنے پر بھی یہ کتابیں نہیں ملتی تھیں۔ علامہ شمس الدین نے طالب علموں کو یہ کتابیں فراہم کرنے کے لیے اپنے مدرسے میں طلبہ کو جمعہ کے علاوہ ہفتہ اور اتوار کی بھی چھٹی دے دی تاکہ ان تین دنوں میں وہ ان کتابوں کی نقل کر سکیں۔"

اِن لوگوں کو لکھنے کی ایسی مشق ہوگئی تھی کہ اکثر نے ڈھیروں کتابیں نقل کر لیں۔ حافظ ابنِ فرات

بغدادی کا انتقال ہوا تو ان کے سامان میں کتابوں کے ۱۸ صندوق ملے۔ ان میں اکثر کتابیں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کی نقل کی ہوئی کتابیں اتنی اچھی اور صحیح تھیں کہ حدیث کے عالم انھیں سند مانتے تھے۔ سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا شیخ ابنِ جوزی کو یہ کہتے سنا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں۔ شیخ ابن جوزی نے خود ڈھائی سو کتابیں تصنیف کی تھیں۔ دو ہزار کتابوں کی نقل ان کے علاوہ تھی۔

شیخ ابن جوزی نے ان کتابوں کے لکھنے کے لیے نَرسَل (نرکُل) کے جو قلم استعمال کئے تھے انھیں بناتے وقت جو چھیلن یا تراشے نکلتے تھے اُسے وہ جمع کرتے رہے۔ یہ تراشے اتنے تھے کہ ان کے انتقال پر اُن کی خواہش کے مطابق غُسل کا پانی انھی تراشوں کو جلا کر گرم کیا گیا تھا۔

الگ، الگ

بعض نونہال اپنے مضامین، کہانیاں، لطیفے، سوالات، خیال کے پھول، خبریں اور خط وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس طریقے سے ان کی چیزیں شائع نہیں ہو سکتیں اور ان کو الگ الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہر چیز کو الگ کاغذ پر لکھنا چاہیے اور اس پر اپنا نام اور پتا بھی صاف لکھنا چاہیے تاکہ ہم ان کو علاحدہ علاحدہ فائلوں میں رکھ سکیں اور نمبر آنے پر شائع کر سکیں۔ ایک بچے نے خط لکھا اور اُسی کے پیچھے لطیفہ بھی لکھ دیا۔ وہ لطیفہ چھپ سکتا تھا، لیکن علاحدہ کاغذ پر نہ لکھا ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا اس لیے آپ جتنی چیزیں لکھیں الگ الگ کاغذوں پر لکھیں۔ ہاں ان کو ایک ہی لفافے میں رکھ کر بھیج سکتے ہیں، یعنی ہر چیز کے لیے علاحدہ لفافہ بھیجنا ضروری نہیں ہے۔

ایک بات اور ضروری ہے کہ کاغذ کے صرف ایک طرف لکھنا چاہیے دونوں طرف نہ لکھیے۔

ایڈیٹر

بیوی کی ہمّت

انگلستان کا بادشاہ ایڈورڈ اوّل (۱۲۳۹ تا ۱۳۰۷ء) چھے فیٹ دو انچ لمبا گرانڈیل جوان تھا۔ وہ رکاب میں پاؤں رکھے بغیر کود کر گھوڑے پر سوار ہو جاتا تھا اور ویسے بڑا فونی اور شہ زور تھا۔ اسے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی اور ۱۲۹۵ء میں پہلی بار پادریوں، اُمرا، جاگیرداروں اور شہریوں کو شامل کیا۔

ایڈورڈ اوّل کے زمانے میں فلسطین میں صلیبی جنگیں لڑی جا رہی تھیں۔ یورپ کے کئی عیسائی بادشاہ فلسطین آ کر مسلمانوں سے بیت المقدس چھیننے کے لیے جنگیں لڑ رہے تھے۔ ایک جنگ میں ایڈورڈ بھی شامل ہوا۔ لڑائی میں کسی مسلمان نے اس کے خنجر گھونپ دیا۔ طبیبوں نے خنجر دیکھ کر کہا خنجر کسی زہر قاتل میں بجھا ہوا ہے اس لیے زخم لاعلاج ہے۔ طبیبوں نے ہمت ہار دی لیکن ایڈورڈ کی ملکہ نے ہمت نہ ہاری۔ اس نے اپنی جان پر کھیل کر بادشاہ کی جان بچانے کا عزم کیا۔ وہ دن میں کئی مرتبہ زخم کو چوس لیتی اور زہر کو تھوک دیتی۔ اس طرح کرتے کرتے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی بادشاہ کا زخم بھی اچھا ہو گیا اور اس کی وفادار ملکہ کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔

حاضر دماغی دشمن کو بھی زیر کر سکتی ہے

انگلستان کے ایک مشہور امیر لارڈ برکلے کو اپنی دلیری پر بڑا ناز تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ کسی اکیلے ڈاکو کے آگے ہتھیار نہ ڈالے گا۔ ایک دن وہ مضافات سے لندن جا رہا تھا کہ اُسے راستے میں ایک گھوڑے سوار نے اس کی بگھی کے قریب آ کر اس میں جھانک کر کہا، "میرا خیال ہے آپ لارڈ برکلے ہیں۔"

"ہاں!"

"کیا آپ یہ ڈینگ مارا کرتے ہیں کہ میں کسی اکیلے ڈاکو کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔"

"ہاں!"

یہ سُن کر ڈاکو نے اپنے پستول سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے کہا، "خبردار! میں ایک خطرناک ڈاکو ہوں اور اکیلا۔ بتاؤ دولت دو گے یا جان؟"

"بزدل کتے! تم اپنے آپ کو اکیلا کہتے ہو۔ کیا میں اندھا ہوں ــــ وہ تمھارا ساتھی نہیں تو کون ہے؟"

ڈاکو نے اُسے دیکھنے کے لیے جوں ہی پیچھے دیکھا لارڈ برکلے نے اس کے سر میں گولی ماردی۔

عورتیں مَردوں کے بھیس میں

ایسا بھی ہُوا ہے کہ عورتیں مَردوں کا بھیس بدل کر فوج یا بحریہ (نیوی) میں سپاہیانہ خدمات انجام دیتی رہی ہیں۔ انگلستان میں ایسی تین عورتیں مشہور ہیں۔ کرسٹوفر ڈے ویز (۱۶۶۷-۱۷۳۹ء) جو کرسٹوفر ولیش کے نام سے بھرتی ہوئی۔ اس نے ایک جنگ میں بھرپور حصہ لیا، زخمی بھی ہوئی۔ دوسری عورت فوبے ہَسل مشہور ہے جو ۱۰۸ سال کی عمر پاکر فوت ہوئی۔ ایک اور حبشی عورت ولیم براؤن کے نام سے گیارہ سال تک بحری جہاز شارلوٹ پر مَلّاح کا کام کرتی رہی اور حیرت ہے کہ وہ اپنے کام میں مَردوں سے بھی زیادہ ماہر اور مستعد سمجھی جاتی تھی۔ ایک اور عورت ہنّاسنل (۱۷۲۳-۱۷۹۲ء) بھی مشہور ہوئی۔ اس نے ہندستان میں انگریزی فوجوں میں پانڈے چیری کی جنگ میں حصہ لیا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی ایک انگلی کٹ گئی تھی۔

فوبے ہَسل کے ذکر میں آتا ہے کہ جب وہ بہت بوڑھی ہوگئی تو اُسے "برائٹن کے "بہبود گھر" میں داخل کیا گیا لیکن ۱۸۰۸ء میں اس نے بہبود گھر چھوڑ دیا۔ پھر پرنس آف ویلز نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کردیا۔ وہ ایک بازار کے چوک میں مٹھائیاں اور کھلونے لے کر بیٹھا کرتی۔ لوگ اس کی سرپرستی کو اعزاز سمجھتے تھے۔ جب واٹرلو کی فتح کا جشن برائٹن میں منایا گیا تو اس بڑھیا کو پادری کے دائیں طرف معزز مقام پر بٹھایا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۰۲ سال تھی۔

نومولود کو جنگی تمغہ دیا گیا

پہلی جون ۱۷۹۴ء کو ٹرے فلگر کی جنگ میں شامل ایک جنگی جہاز پر ایک خاتون کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام ڈینئل ٹری منڈس میکنزی رکھا گیا۔ اس جنگ میں شامل ہونے والے فوجیوں کو جب جنگی میڈل دیے گئے تو اس بچے کو بھی میڈل دیا گیا۔

بزمِ نونہال

بہت سے نونہالوں نے رسالہ دیر سے ملنے کی شکایت کی ہے، لیکن اس کا جواب "حالات" ہیں، جو سب کو معلوم ہیں۔

•• ہر روز کرفیو کھلتے ہی بک اسٹال پر پیارے نونہال کے لیے دوڑ کر جاتا اور مایوس لوٹتا تھا، لیکن آج جب بازار میں وہ مل گیا تو کیا بتاؤں میں کس قدر خوش ہوا۔ پورا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ (حافظ مظفر محسن، لاہور)

•• سرورق بہت خوب صورت اور سائنسی تھا۔ نونہال نے تمام رسالوں کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔

(دایم ناز، منڈی بہاء الدین)

•• پچھلے چند ماہ میں نونہال کا معیار اور بلند ہو گیا ہے۔ پاکستان اس پر فخر کر سکتا ہے۔ (اسد اسماعیل، کراچی)

•• مئی کا شمارہ مجموعی طور پر اچھا تھا۔ نظم "بوجھو تو جانیں" پسند آئی۔ (شیر افضل کھڑپڑیا، ہزارہ)

•• اسلامی تاریخ کے واقعات "روشنی ہی روشنی" مستقل رہے تو اچھا ہے۔ ہر پڑھنے والے کو مسرت ہوگی۔

(خالد جاوید، اختر ناز، خوشاب)

•• نونہال ۹ مئی کو میری سال گرہ کے تحفے کے طور پر ملا۔ "عمر خیام"، "سائنس مارننر" اور "درخت سب سے زیادہ زندہ رہتے ہیں" پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ (شہناز بانو، کراچی)

•• نونہال بہت اچھا رسالہ ہے۔ "ندامت کے آنسو" کے علاوہ "کیا یہی انسانیت ہے" اور "ضمیر کی آواز" بہت پسند آئی۔

(فوزیہ مظہر، عامرہ، حسن اور عابد، حیدر آباد)

•• مئی کا نونہال اپنی انفرادی خصوصیات، پُرکشش اور دیدہ زیب سرورق کی بنا پر سب سے بازی لے گیا۔

(گوہر جمال زرو بی، مردان)

•• نونہال بڑی تاخیر سے ملا، لیکن چوں کہ مجھے اصل وجہ معلوم تھی، اس لیے پریشان نہیں ہوا۔ تمام مضامین معیاری تھے۔ (غلام حسین احمد صدیقی، پشاور)

•• مئی کا شمارہ کل تک زیرِ مطالعہ تھا۔ اب پھر وہی بوریت ہی بوریت۔ کاش نونہال مہینے میں کم از کم چار بار شائع ہوتا۔ (سید ہدایت علی، حبیب آباد)

•• مئی کا نونہال بے حد حسین اور مفید تھا۔ نونہال میں تبدیلیوں کی وجہ سے اس کا وقار اور بھی بڑھ گیا ہے۔

(چوہدری محمد اکرم، لاہور کینٹ)

•• نونہال سات سال سے پڑھ رہا ہوں۔ مئی کا شمارہ بہت پسند آیا۔ پیرزادہ عاشق کیرانوی کو ان کی نظم "کسان" لکھنے پر مبارک باد دیجیے۔

(عبدالرزاق سنجرانی، خضدار)

•• مئی کے شمارے میں "چڑیا کے بچے"، "انھوں نے چالیس صفحات روزانہ لکھے" بہت پسند آئے۔ "جاگو جگاؤ" کا جواب نہیں۔ (عبدالستار کاکا، راول پنڈی)

•• مئی کا نونہال خصوصاً "جاگو جگاؤ" بہت شاندار اور دل چسپ تھا۔ (غفار پرویز بلوچ، پسنی)

•• حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" سبق آموز تھا۔ "ندامت کے آنسو" اور "شہید" بہت پسند آئے۔

(عالیہ حفیظ علوی، کراچی)

•• مئی کا نونہال بہت اچھا تھا۔ نظم "ہمارا کسان" بہت پسند آئی۔ (سید محمد اسلم بٹ شازی اور یونس بٹ، اوکاڑہ)

•• نونہال ایک عرصے سے زیرِ مطالعہ ہے۔ مئی کا پورا شمارہ پڑھ کر لطف آگیا۔ سرورق پسند نہیں آیا۔ اسے اور خوب صورت بنائیے۔ (مہناز ظفر، خوشاب)

•• سرورق دیکھتے ہی مُصوّر کو داد دینے کو جی چاہا۔ جناب سید رشید الدین احمد کی لکھی ہوئی سبق آموز کہانی "چڑیا کے بچے" بہت پسند آئی۔ (ندیم یوسف ملک، سیالکوٹ)

•• مئی کا سرورق بے حد پسند آیا۔ "خیال کے پھول" "انسائیکلو پیڈیا" اور "معلوماتِ عامہ" رسالے کی جان ہیں۔
(صاحب زادہ امین الدین جہانگیر، علی خیل)

•• مئی کے نونہال میں "جادو" "چڑیا کے بچے" اور "شہید" مجھے بہت پسند آئے۔ (عبدالعزیز کھٹڑ، کندھ کوٹ، سندھ)

•• مئی کا نونہال پڑھ کر انگ انگ ناچ اُٹھا۔ اس کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔
(شیخ محمد علی عثمانی اور بہت سے ساتھی، لائل پور)

•• آج ہم نے ایک بہت خوب صورت باغ کی سیر کی۔ باغ میں ایک پھول "جاگو جگاؤ" دیکھا۔ اس کی خوش بُو باغ کو مہکا رہی تھی۔ آگے بڑھے تو "خیال کے پھولوں" کی کیاری ملی جو لوگوں میں نصیحتوں کی خوش بُو بانٹ رہی تھی۔ پھر باری باری بہت سے پھولوں کو دیکھا جو اپنی مہک سے لوگوں کو مسرور کر رہے تھے۔ بھلا کون سا باغ تھا یہ؟ جی ہاں! آپ نے خوب پہچانا۔ یہ ہمارے ہمدرد نونہال، کا گلستان تھا۔
(محمد سلیم بھٹی، شیخوپورہ)

•• مئی کے نونہال میں "شہید" "ندامت کے آنسو" اور "چڑیا کے بچے" بہت پسند آئے۔ لطیفے بھی بڑے مزے دار تھے۔
(سید اصغر علی، کراچی)

•• مئی کا شمارہ ذرا جلدی ملا۔ دلی مسرت ہوئی۔ نونہال واحد موتی ہے جو بڑے گہرے سمندر سے ملا ہے۔ یہ اُداس دلوں کی تسلی اور بے چین روحوں کی تسکین ہے۔ قیمت میں اضافہ دل و جان سے قبول ہے۔ (محمد اطلس خاں مجاہد لگی)

•• "شہید" "ندامت کے آنسو" اور "جادو" بہت اچھے تھے۔
(سید سہیل اختر، کراچی)

•• "جادو" "ندامت کے آنسو" اور "چڑیا کے بچے" بہت پسند آئے۔ (محمد شوکت، کراچی)

•• میرے اچھے رسالے تمہاری شہرت سُنی اور دیکھا۔ واقعی تم بہت کام کے ہو۔ افسوس کے میں تم سے پہلے سے واقف نہیں تھا۔ روشنی ہی روشنی، شہید، ندامت کے آنسو، جادو اور چڑیا کے بچے بہت پسند آئے۔ (فرخ جمال قریشی، کراچی)

•• میں ابھی تک اس خوب صورت معلوماتی رسالے سے محروم تھا۔ اِس کا مجھے افسوس ہے۔ اب میں اسے باقاعدگی سے پڑھتا ہوں اور اپنے اس دوست کا احسان مند ہوں جس نے اس سے میرا تعارف کرایا۔ (خالد سعید، سیال کوٹ)

•• "سائنس مارنر" کی طرح اچھی اچھی کہانیوں کے ترجمے شائع کرتے رہیے۔ (اعظم جمال، لائل پور، پنجاب)

ہماری یہی کوشش رہی ہے۔ (مدیر)

•• یہ رسالہ نونہالوں کے کردار کو سنوارتا اور اخلاق سکھاتا ہے۔ (الف۔ بی۔ ارم، ڈیرہ اسماعیل خان)

•• مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہمدرد نونہال کی صورت میں مجھے ایک اچھا رہنما اور ہمدرد دوست مل گیا ہے۔ مزمّل، بوریوالا

•• مئی کا چمکتا دمکتا رسالہ بہت پسند آیا۔
(مظہر اقبال، محمد حسن، جمیل عبدالستار، ریاض احمد بخاری، میانوالی)

•• پانچ سال سے نونہال پڑھتا ہوں۔ آج آپ کی محفل میں ڈرتے ڈرتے آرہا ہوں۔ شاید کراچی والوں کی طرح میری بھی

قسمت جاگ جائے۔ منّی کا شمارہ پڑھ کر دل جھوم اٹھا۔ جاگو جگاؤ اور دوسرے مضامین بہت اچھے تھے۔

(نثار احمد ناز، حافظ آباد)

یہ نونہالوں کی محفل ہے۔ اس میں سب ہی شرکت کرتے ہیں۔ آپ ڈرتے ہوئے نہ آئیے، اپنی محفل سمجھ کر شرکت کیجیے۔ محنت کر کے لکھیے اور اپنا مقام حاصل کیجیے۔ کراچی سے خیبر تک ہم ایک ہیں۔ (مدیر)

•• نونہال میں تمام سلسلے اچھے ہیں سوائے "حلقہ دوستی" کے۔ اسے بند کر دیجیے۔ یقین جانیے ۱۰۰ میں صرف ۲۰ اس میں علمی دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کی جگہ کوئی اور معلوماتی سلسلہ شروع کیجیے۔

(نصر اللہ حسرت بیلہ، بلوچستان)

•• بزرگ قومی رہ نماؤں کے حالات بھی شائع کیجیے۔

(محمد انور، کراچی)

ہم ہر مہینے کسی نہ کسی بزرگ کے حالات شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (مدیر)

•• حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ"، ندامت کے آنسو، چڑیا کے بچے" اور نونہال ادیب میں "سچا دوست" بہت پسند آئے۔

(محمد طارق سہیل، گڑھی کپورہ، مردان)

•• منّی کے نونہال میں "شہید"، "چڑیا کے بچے" اور "ہمارا کسان" اچھے تھے۔ (عبدالرزاق چشتی اور شہباز علی، بھاولنگر)

•• نونہال کو دیکھ کر جتنی خوشی ہوتی تھی وہ آخر میں "حلقۂ دوستی" کا فارم دیکھ کر ختم ہو گئی۔ کاش آپ اس سلسلے کو ختم کر دیتے۔

(عامرہ خانم، سیال کوٹ)

•• نونہال ایک روشن شمع کی طرح علم و برکت کی روشنی پھیلاتا ہے۔ (فرخ ارشاد، کراچی)

•• منّی کے نونہال ہیں "جاگو جگاؤ"، خیال کے پھول، "عمر خیام" اور "انھوں نے چالیس صفحات روزانہ لکھے" بہت پسند آئے۔ کیوں کہ اسے پڑھنے کے بعد میں نے زیادہ توجہ سے پڑھائی شروع کر دی ہے۔ (سید سلیمان مرتضیٰ، کراچی)

•• منّی کے نونہال کا ٹائٹل دیکھا تو ایسا محسوس ہوا گویا ہم خود خلاؤں میں اُڑ رہے ہیں۔ جاگو جگاؤ سے نصیحت حاصل کرتے ہی خیال کے پھول میں پہنچ گئے۔ "عمر خیام کے حالات پڑھنے کے بعد "شہید" سے ملاقات کی۔ "انھوں نے چالیس صفحات روزانہ لکھے" اور "درخت سب سے زیادہ زندہ رہنے ہیں" جیسے معلوماتی مضامین سے معلومات میں بے حد اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ "چڑیا کے بچے"، "جادو" اور "رنگ برنگی پھل جھڑیاں" پڑھ کر لطف آگیا اور ڈیڑھ پاؤ خون بڑھ گیا۔ (آفتاب احمد، کراچی)

•• سرورق دیکھ کر تو ایک حسین و جمیل نظم لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ (مظفر حسین خان، کراچی)

•• سات سال سے اس پیارے رسالے کو پڑھ رہا ہوں۔ یہ جب بھی ہاتھ میں آتا ہے سارے دُکھ دُور ہو جاتے ہیں۔

(ظہیر احمد قریشی، کلندیاں)

•• نونہال دیر سے ملنے پر جو غصہ آیا تھا اسے میں نے تھوک دیا۔ "شہید، چڑیا کے بچے، جاگو جگاؤ، نونہال مصوّر، چالاک لومڑی" اور گپ بازی کا مقابلہ" بہت پسند آئے۔

(انور محمود انصاری، کراچی)

•• نونہال بہت عمدہ ہوتا ہے، میں اسے اپنی دادی اماں کو بھی سُناتی ہوں۔ وہ اس کی باتیں سُن کر دعائیں دیتی ہیں۔

(راحیلہ ناز، کراچی)

•• یہ آپ نے کیا کیا "سائنس مارنز" کو دو قسطوں ہی میں ختم کر دیا؟ (سید اعجاز حیدر رضوی، کراچی)

•• منّی کے سرورق کی تعریف کرنا، سیاروں پر پیدل چلنے کے

کے مترادف ہے۔ حکیم صاحب کے "جاگو جگاؤ" کا درس پڑھ کر ان کی معلومات کے علاوہ ان کے دل کی وسعت کا اندازہ بھی ہوا۔ ان کے خیالات میں خلوص کی کتنی چاشنی ہے۔ وہ ہمیں اسی طرح جینے کے ڈھنگ سکھاتے رہیں۔ (انوار احمد، کراچی)

•• کیا پیامی (کورئیر) بچّوں کا رسالہ ہے؟
(محب حسین، کراچی)

جی نہیں "پیامی" بڑوں کے لیے ہے۔ آپ جلدی جلدی اپنی تعلیم مکمل کر لیجیے تاکہ "پیامی" سے فائدہ اٹھا سکیں (ن ن)

نونہالوں کی دل چسپی اور خطوط کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے جن نونہالوں کے خطوط شائع نہیں ہو سکے ان کے صرف نام اور شہر کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

کراچی:

شبیہ الحسن، ابراہیم مصطفےٰ، منیرہ بانو، سید علی وصی زیدی، سید علی عابد رضوی، جاوید شمیم صدیقی، سید نادر، سید سمیع انور، سید علی الدین احمد، شاہد احمد رشید، یوبی ذکی، جمیل اعوان، اظہر حسین، وسیم اختر، محمد ماجد، سید مستنصر شاہ، خالد حسن شیخ، احمد عبداللہ، فریدہ مسرور، سیما مسرور، زمرد خان، بدرالھدیٰ، حبیب اسماعیل، امتیاز حسین، بلال احمد بلالی، عمران اسلم، ثمینہ ناز، محمد حنیف بریمی، سلمان صادق، حبیب الرحمان، ندیم عباس، شیدائے شفیق، بابر زیب شاہ، محمد سلیم حنیف، نوید ہاشم، ریاض سلیم، شوکت علی بلوچ، جمیل الرحمٰن، کمال الدین محمد عمران، درخشاں خان، ادریس آدم غازی، سعید احمد ناز، فہمیدہ موسیٰ، محمد طارق، سید علیم الدین احمد، علی رضا شاد، ایم ایم جعفر، محمد فاروق گھانچی، معین فخر ہمدانی، زاہد محمود، سید اُسامہ اختر، راجہ اعجاز علی شہزاد، شکیل احمد کان پوری، ایم اشرف، فرقان آزاد، محمد اسماعیل برنی، طارق کریم بلوچ، جاوید رحمت، فرح منیر، ممتاز حسین حنفی، محمد وسیم، حبیب فخر اُستو، سید محمد اصغر، محمد یوسف، سید کامران نقوی، صلاح الدین، ہمایوں خواجہ، محمد یوسف حاجی لطیف، صدیق اکبر، وسیم قادری، شاہد ایس صادق۔

حیدر آباد:

انیلا شفیع، یونس قمر، عبدالوحید رضا، وصی الدین احمد، ہیرالال، سید مظہر علی جعفری، عقیل احمد، محمد عامر بھٹی، شہزاد طاہر، شمشاد علی، گندو میراج۔

سکھر: محمد عمر دراز، عاشق حسین، منور سلطانہ، صبیحہ سلطانہ، رضیہ سلطانہ، افشاں ناز۔

میر پور خاص ۔ عبداللہ، ضیاء اللہ۔

متفرق: شازیہ اختر، خیر پور میرس۔ ثمینہ ناز، صوفیہ شمیم، گھارو۔ ساجد رشید ناگرا، بیر محل۔ سکندر خان، مردان۔ شاہدہ رعنا، بالاکوٹ۔ محمد ذوالفقار ضیا، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ جمیل الرحمان طاہر، وسیم یوسف ملک، سیال کوٹ۔ جاوید اقبال، ایم افتخار احمد، عبدالجواد، قیصر حمید، نعیم اختر، قلعہ سوبھا سنگھ۔ اختر عباس، بھاول نگر۔ جاوید اقبال، شیخوپورہ۔ طلعت حیات علوی، پتوکی۔ جاوید احمد، ڈیرہ غازی خاں۔ محمد جاوید، ہارون آباد۔ عامر خلیل، ادیل، گجرات۔ ساجد اجمل بھٹہ، مظفر گڑھ۔ انیس تبسم شاہین، خانیوال۔ محمد فرخ گلزار، چنیوٹ۔ محمد ادریس، رحیم یار خاں۔ محمد خالد فدائی بلوچ، الشکان، مکران۔ اسداللہ خان فانی، عیسیٰ خیل۔ سید امام الدین شاہ، سید غلام عباس شاہ، جکھڑ امام شاہ۔ عبدالشکور ساجد، لائل پور۔ اسرار الحق، خالد محمود، راول پنڈی۔ اطہر محمود، اسلام آباد۔ آصف اقبال صابری، کیمبل پور۔ سید توقیر رضا، فاروق انجم ساجی، ملک وال۔ راشد فاروق الحق، محمد اسلام، ملتان۔ کالو نوادر عامر، لیاقت پور۔

نونہال ادیب

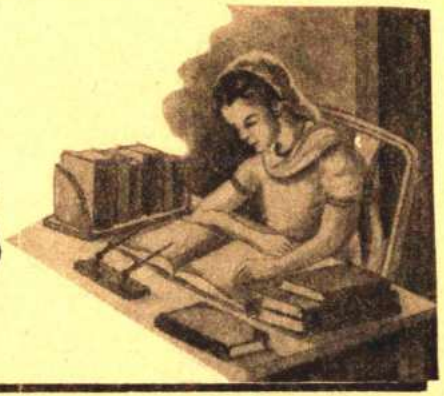

حمد

مرسلہ: خورشید اکرام، کراچی

اے لامکان والے — بے مثل شان والے
دونوں جہاں کے آقا — کون و مکاں کے داتا
ثانی نہیں ہے تیرا — ایمان ہے یہ میرا
ہر چیز میں نہاں ہے — قدرت تری عیاں ہے
میں معصیت مجسّم — تو رحمتِ دو عالم
انسان ہوں الٰہی — نادان ہوں الٰہی
ستّار ہے تو بے شک — غفّار ہے تو بے شک
بخشش کا حکم دے دے
دامن میں مجھ کو لے لے

*

نعت

طارق رحیم شاعر، کراچی

تعریف کروں تیری میں کیا پیارے محمدؐ
رب نے تجھے محبوب کہا پیارے محمدؐ
ہر چیز ہے قربان مگر در پہ بُلا لو
یہ جان ہے کیا، مال ہے کیا پیارے محمدؐ
آگے ترے سب جھک گئے یہ جن و ملائک
اللہ نے جب نام لیا پیارے محمدؐ
خود پیٹر کو جنبش ہوئی دو ٹکڑے ہوا چاند
اُنگلی کا اِشارا جو ہوا پیارے محمدؐ
شاعرؔ کی بھی کشتی ہے پھنسی بیچ بھنور میں
اب تُو ہی اِسے پار لگا پیارے محمدؐ

حضرت سلیمانؑ کا انصاف

عامر علی فدا حسین۔ کراچی

حضرت سلیمانؑ اللہ کے ایک مشہور پیغمبر تھے۔ اللہ نے انھیں ظلمی چیزوں پر بھی اختیار دیا تھا۔ آپ نے فلسطین پر ۴۰ سال حکومت کی۔ ان کے والد کا نام (حضرت) داؤدؑ تھا۔ وہ بھی اللہ کے مشہور پیغمبر تھے اور اُن پر آسمانی کتاب زبور نازل ہوئی۔ آپ جب بادشاہ بنے تو اللہ تعالےٰ نے آپ سے خواب میں پوچھا کہ "اے سلیمانؑ! مانگ کیا مانگتا ہے؟ جو مانگے گا دوں گا۔"

حضرت سلیمانؑ نے کہا "اے اللہ! تو مجھے صحیح انصاف کرنے کی سمجھ دے تاکہ میرا حق کا فیصلہ عوام کو پسند آئے۔ اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوئی کہ سلیمانؑ نے نہ دولت مانگی نہ طاقت اور نہ لمبی زندگی بلکہ عوام کی خاطر صحیح فیصلہ کرنے کی طاقت مانگی۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ "ہم نے سلیمان سے زیادہ انصاف کی طاقت کسی کو نہیں دی۔"

آپ کی بادشاہت کے زمانے کا قصہ ہے۔ دو عورتیں روتی ہوئی آپ کے پاس آئیں۔ ان کے درمیان ایک بچے پر جھگڑا تھا۔ ایک کہہ رہی تھی کہ بچہ میرا ہے اور دوسری کا دعوا بھی یہی تھا کہ بچہ میرا ہے۔ پڑوسیوں نے جھگڑا نمٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ آخرکار وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے آئیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک عورت کا بیان لیا تو اُس نے کہا کہ "میرے آقا! ہم دونوں ایک ہی مکان میں رہتے ہیں۔ چند دن ہوئے مجھے اللہ نے ایک بیٹا دیا اور اُسی دن اسے بھی بیٹا پیدا ہوا لیکن وہ رات میں بچے پر بیٹھ گئی اس طرح بچہ مر گیا۔ اس نے رات میں میرا بچہ اٹھا لیا اور اپنا بچہ رکھ گئی جب میں سو کر اُٹھی تو مرے ہوئے بچے کو پایا۔ میں نے جب اپنے بچے کو مانگا تو اس نے بچہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ بچہ میرا ہے۔"

حضرت سلیمانؑ دوسری عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے بیان دینے کو کہا تو اس نے بھی بعینہٖ یہی بیان دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے دونوں کو قیامت کے عذاب سے ڈرایا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنا فیصلہ بدلنے پر تیار نہ ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ نے تلوار منگوائی اور کہا کہ "میں بچے کو آدھا آدھا کر دیتا ہوں۔ دونوں آپس میں بانٹ لینا۔ پہلی والی عورت نے کہا "بچہ اسی کو دے دو اسے مت مارو۔" تب حضرت سلیمانؑ نے بچہ اسی عورت کو دے دیا۔ دوسری عورت کو جیل میں ڈلوا دیا۔

وزیروں نے پوچھا کہ۔ آپ نے یہ فیصلہ کیسے کیا تو آپ نے فرمایا کہ "ماں کا پیار اندھا ہوتا ہے۔ دوسری عورت نے بچہ کو خوشی کاٹنے

کی منظوری دے دی، کیوں کہ یہ بچہ اس کا نہ تھا۔"

وزیروں اور رعایا نے حضرت سلیمانؑ کے اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور کہا کہ واقعی حضرت سلیمانؑ کی حکومت خدا کا تحفہ ہے۔

رشوت، ایک لعنت

رعنا تبسم پاشا، دوڑ

ایک وبا، ایک مہلک بیماری اور ایک لعنت جو ہمارے ملک میں پھیل گئی ہے۔ رشوت ہی جو ہمارے جسم پر کوڑھ کا داغ ہے اور جو ہمارے ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ لوگ ایمان داری سے کام لینے کے بجائے اب رشوت کا سہارا لے رہے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ رشوت لینے کے واقعات اب تعلیمی اداروں میں بھی پیش آ رہے ہیں۔ میں آپ کو ایک اسکول میں پیش آنے والا ایسا ہی واقعہ سناؤں گی۔ یقین کیجئے کہ یہ بالکل سچا ہے، جھوٹ کا اس میں شائبہ تک نہیں۔ لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ یہ واقعہ کس شہر کے کس اسکول میں پیش آیا۔

پرائمری اسکول کے امتحانات ہو چکے تھے۔ طلبہ کو رزلٹ کا شدید انتظار تھا۔ آخر وہ دن بھی آیا جب طلبا رزلٹ سننے کے لیے قطار در قطار بیٹھے تھے۔ نتیجہ سُن کر سب حیران رہ گئے۔ جب پانچویں جماعت کا ایک نہایت کمزور کھلنڈرا لڑکا اپنی پوری جماعت میں اوّل آیا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شہر کے ایک امیر آدمی کا بیٹا تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسے خوب شاباشی دی کہ اُس نے محنت کی اور سب سے بازی لے گیا۔ مگر جب نمبر سنے گئے تو سب انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ کیوں کہ حساب میں اس کے نمبر ۱۰۰ میں سے ۱۰۵، سائنس میں ۱۱۳ اور انگلش میں ۱۰۹ تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُس لڑکے کے کلاس ٹیچر سے وضاحت چاہی۔ پرچے انھوں ہی نے دیکھے تھے اور رزلٹ شیٹ بھی تیار کیا تھا۔ کلاس ٹیچر نے جواب دیا "جناب اس لڑکے کا لباس دیکھیے، اس کی شکل دیکھیے اس کے والد کی حیثیت پر بھی نظر رکھیے۔ ان تمام ممتاز خوبیوں کے سبب اس کو اتنے ہی نمبر ملنے چاہئیں۔"

یہ سب کارکردگی بھاری رشوت کے صلے میں انجام دی گئی تھی۔ ایسے ہی سینکڑوں واقعات روزانہ مختلف مقامات پر پیش آتے رہتے ہیں جو محض رشوت کی بنا پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ رشوت نے ہماری خودداری اور اَنا کو پامال کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کو تباہ کر دیا ہے۔ غربت اور امارت کے فاصلے مزید بڑھا دیے ہیں۔ غریبوں کا حق مارا ہے اور ہماری معیشت کی اصل شکل و صورت اس حد تک مسخ کر ڈالی ہے کہ پہچاننا دشوار ہے۔ ہم رُسوائیوں کی گہری دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ دُنیا میں سب ہی رشوت خور نہیں بستے۔ ایمان دار لوگ بھی موجود ہیں۔ اگر ایک شخص یہ لعنت ختم کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے تو چار اس کے قدم روک لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس لعنت پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر لینے والے چار ہیں تو دینے

ولے دس ہیں۔ اس کو ختم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم سب متحد ہو کر رشوت کے خلاف آواز بلند کریں، کیوں کہ دولت سے کتابیں خریدی جاسکتی ہیں علم نہیں۔ دولت ہاتھ کا مَیل ہے۔ آج آئی اور کل چلی گئی۔ ہم دولت کو بطور رشوت استعمال کرتے ہیں اور اپنے اعمال نامے میں گناہوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ خود آں حضرتؐ کا ارشاد ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں ہی گناہ گار ہیں۔" ذرا سوچیے تو رشوت کا لین دین کر کے ہم کتنے بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آیئے ہم اپنے مُردہ ضمیروں کو جگائیں اور اپنے لالچی دلوں میں ایمان کی شمع جلا کر اس کی مقدس روشنی میں رشوت جیسی لعنت کو ختم کر دیں۔

محنت

طارق اشتیاق خان، کراچی

اے نونہال بچو! محنت سے کام کرنا
محنت کے بَل پہ ساری دُنیا کو رام کرنا

محنت سے چل رہے ہیں دُنیا کے کارخانے
محنت سے ہل رہے ہیں ہر ایک کو خزانے

سب دست کاریوں میں ڈالی ہے جان اس نے
مزدور کو دکھا دی دولت کی کان اس نے

جو قوم چاہتی ہے دُنیا میں نام کرنا
طارق وہ جانتی ہے محنت سے کام کرنا

****

العاصفہ

آلسہ شہلا پروین، جہلم

چھٹی کے وقت، مَیں جب بھی آٹھویں کے کلاس روم کے سامنے سے گزرتی تو مجھے چھ لڑکیاں اور ایک استانی کو میز کے ارد گرد کرسیوں پر بیٹھی آپس میں گفت گو کرتی دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی۔ انہی لڑکیوں میں میری جاننے والی ایک لڑکی فلزہ بھی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ میں فلزہ سے پوچھوں کہ چھٹی کے وقت کھیل کود اور تفریح کے بجائے تم لوگ یہ کیا کرتی ہو۔

آخر اس کا موقع مل گیا۔ ایک دن موقع پا کر میں ذرا جلدی اسکول پہنچی تو فلزہ مجھے میدان میں مل گئی سلام کے بعد میں نے فلزہ سے پوچھا کہ وہ تفریح میں کیا کرتی ہیں؟ وہ کہنے لگی، "ہم نے ایک تنظیم بنائی ہے۔ جس کا نام العاصفہ ہے۔"

"اس تنظیم کا نصب العین کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

فلزہ نے جواب دیا اس تنظیم کا نصب العین "نہی عن المنکر اور امر بالمعروف" ہے۔ یعنی اچھے اور نیک کاموں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا ہے۔

"اس تنظیم کے تحت تم کیا کام کرتی ہو؟" میرا اگلا سوال تھا۔ وہ کہنے لگی کہ اس تنظیم کے تحت ہم بہت سے کام کرتے ہیں۔ ہمارا پہلا کام تو یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو درست کریں۔ اپنی اصلاح کریں۔ دوسروں کی خامیوں پر نظر رکھنے کے بجائے پہلے اپنی خامیاں ڈھونڈیں اور ان کی

اصلاح کریں، یعنی اپنے آپ کو مکمل انسان بنانے کی کوشش کریں۔ پھر وہ کہنے لگی کہ ہم نے بڑی حد تک اپنے آپ کو درست کرلیا ہے، اس کے علاوہ ہم چندہ جمع کرکے غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔"

"اس تنظیم کو بنے کتنا عرصہ ہوا؟" میں نے فلزہ کی بات کاٹی۔ وہ کہنے لگی کہ تنظیم کو بنے ابھی چھ مہینے ہوئے ہیں، لیکن ہم نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا ہے۔ ہم نے سیلاب زدگان کی امداد کے لیے فنڈ اور کپڑے وغیرہ اکٹھے کیے ہیں۔ اس کے علاوہ گرمی کی چھٹیوں میں اپنے محلے کے بچوں کو پڑھاتی ہوں۔ یہ باتیں سن کر میرے دل میں بھی اس تنظیم کی رکن بننے کا شوق ہوا چناں چہ میں نے اس کا اظہار فلزہ کے سامنے کر دیا۔ میری یہ خواہش سن کر کہ میں بھی اس تنظیم میں شامل ہونا چاہتی ہوں، فلزہ خوشی سے بولی، "تمھارے آنے سے خوشی ہوگی۔" اور پھر میں بھی اس تنظیم کی ایک رکن بن گئی۔ آج اس تنظیم کو بنے تین سال ہوگئے اور ہم سب ممبر دسویں کا امتحان دے کر فارغ ہیں۔ العاصفہ کے ممبران کی تعداد چوبیس کے لگ بھگ ہے۔ ہماری تنظیم آج بھی اسی زور و شور، محنت، لگن اور تن دہی سے کام کر رہی ہے۔

پچھلے دنوں ہم نے دو تین ڈرامے کیے اور اس سے حاصل شدہ رقم سے بہاریوں کی کافی امداد کی۔ ان دنوں ہم بہاری کیمپ جاکر بچوں کو پڑھاتی ہیں۔ فنڈ اور ڈراموں سے جمع شدہ رقم سے ان کے لیے کتابیں، کاپیاں اور پنسلیں وغیرہ خریدی ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری طرح اور طالبات بھی اس قسم کی تنظیمیں بنائیں۔ اپنے ارد گرد غریب بچوں بچوں کے لیے فنڈ اکٹھا کریں اور بچوں کو پڑھائیں جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے ملک کے غریب اور نادار لوگوں کی کچھ تو خدمت کی جاسکے گی۔ اور ہمارا معاشرہ درست ہوجائے گا۔ ہم اپنے ملک کو خوش خرم اور خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں تو ملک کا بچہ بچہ اپنے ملک کی بقا اور ترقی میں حصہ لے۔ ہمارا ملک یقیناً خوش حال ہوجائے گا۔ انشاء اللہ۔

مغربی جرمنی

محمد مقصود احمد، کراچی

جرمنی یورپ کے وسط میں واقع ہے۔ یہ اطراف سے مغربی یورپ کے ممالک سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں چیکوسلواکیہ اور پولینڈ ہیں۔ مغرب میں فرانس، بلجیم اور ہالینڈ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ جنوب میں سوئٹزرلینڈ اور آسٹریا واقع ہیں اور شمال میں بحیرۂ بالٹک اور بحیرۂ شمالی ہیں۔ اس محل وقوع کی بدولت جرمنی کو اپنے ترقی یافتہ ہمسایوں سے تجارتی تعلقات استوار کرنے میں ہمیشہ سہولت رہی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جرمنی کے دو حصے ہوگئے۔ مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی۔ ان دونوں کی علاحدہ علاحدہ حکومتیں ہیں۔ مشرقی جرمنی کا رقبہ ۴۱۵۳۵ مربع میل ہے اور آبادی پونے دو کروڑ ہے۔ مغربی جرمنی کا رقبہ ۹۵۹۱۴ مربع میل ہے اور آبادی

چھ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ جرمنی کا شمالی میدان خاصہ زرخیز ہے اور ملک کا اہم زرعی علاقہ ہے۔ آلو، چقندر اور گندم یہاں کی خاص فصلیں ہیں، اس میں دریائے رائن کی وادی نہایت زرخیز ہے۔ پہاڑوں کی ڈھلانوں پر عمدہ قسم کا انگور کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ جرمنی کا جنوبی حصہ سطح مرتفع ہے پہاڑوں کے درمیان متعدد چھوٹے چھوٹے دریا بہتے ہیں۔ پہاڑوں پر بلوط اور صنوبر کے درخت پائے جاتے ہیں۔ پہاڑی ڈھلانوں پر چراگاہیں ملتی ہیں جن میں بھیڑیں پالی جاتی ہیں۔ قدرت نے جرمنی کو کوئلہ، پوٹاش اور نمک کے وسیع ذخائر عطا کیے ہیں۔ باقی معدنیات بھی وافر مقدار میں موجود ہیں یورپ کے ملکوں میں انگلستان کے بعد سب سے زیادہ کوئلہ یہاں ملتا ہے۔ رُوہر میں دنیا کی سب سے بڑی کوئلے کی کانیں ہیں۔ اس وسیع رقبے میں بڑے بڑے صنعتی مراکز قائم ہو گئے ہیں۔ وسطی جرمنی خصوصاً ہارز کے پہاڑوں میں پوٹاش، تانبہ، لوہا، جست اور سیسہ ملتا ہے۔

صنعت و حرفت میں جرمنی یورپ کے ملکوں میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ اس کے مال کی نفاست اور پائیداری دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ کوئلے اور لوہے کی بہتات سے فولاد اور بھاری مشینیں تیار کرنے کے بے شمار کارخانے قائم ہیں۔ کیمیائی اشیا کے علاوہ موٹریں، آلات، شیشے اور بجلی کا سامان، سوتی، ریشمی اور اونی کپڑا تیار کرنے کے بہت سے کارخانے قائم ہیں۔ جرمن قوم دیگر یورپی قوموں کی طرح مختلف نسل کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ زیادہ تر شمال مغربی یورپ مثلاً سوئیڈن اور ناروے سے آ کر یہاں آباد ہوئے۔ انھیں ایک قوم بنانے میں جرمن زبان نے بڑی مدد دی ہے۔ لوگ بہت محنتی اور ہنرمند ہیں۔ ان کا سب سے بڑا پیشہ صنعت و حرفت ہے اور وہ نظم و ضبط کے بڑے پابند ہوتے ہیں۔ تعلیم میں گہری دلچسپی لیتے ہیں، تقریباً ہر نوجوان یونی ورسٹی تک تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ان میں ہائیڈل برگ اور برلن یونی ورسٹی بین الاقوامی شہرت رکھتی ہیں۔

برلن جرمنی کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی ۳۲ لاکھ کے قریب ہے۔ یہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ مشرقی برلن اور مغربی برلن۔ یہ شہر ریل سازی کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔

بُون مغربی جرمنی کا دارالحکومت ہے۔ دریائے رائن کے کنارے بہت بڑا تعلیمی، صنعتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ مشہور یونی ورسٹی ہے۔ لوہے کا سامان تیار کرنے اور کیمیائی اشیا بنانے کے کارخانے قائم ہیں۔

ہیمبرگ مغربی جرمنی کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ سمندری اور آبی راستوں کا مرکز ہے۔ دھاتوں سے مختلف قسم کا سامان بنانے، کپڑا بُننے، کیمیائی اشیا تیار کرنے اور ربڑ بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔

میونخ مغربی جرمنی کا عظیم شہر اور بویریا کا صدر مقام ہے۔ تجارت اور صنعت کا بہت بڑا مرکز ہے۔ کتابوں کی تجارت کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔

پاکستان اور جرمنی: خصوصاً مغربی جرمنی کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ مغربی جرمنی اُن پانچ ممالک کی انجمن میں شامل ہے جو پاکستان کو منصوبہ سندھ طاس کے تحت امداد دیتی ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان وسیع پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔ ہم روئی، کپڑا اور چمڑے کے عوض جرمنی سے مشینیں، موٹریں، بجلی کا سامان، ادویات اور کیمرے وغیرہ درآمد کرتے ہیں۔

نونہال ہمارا

افتخار احمد، کراچی

نونہال اِک اچھا پرچا
اپنے شہر میں اس کا چرچا
بچّو! یہ ہے اتنا پیارا
اک دم میں پڑھتے ہیں سارا
اس کی کہانی ہر اک پیاری
مضمون اس کے سب معیاری
موٹا ہوتا ہے یہ پرچا
سب بچّوں میں اس کا چرچا
میری آنکھوں میں جچتا ہے
ہر اک کو اچھا لگتا ہے

چند کہاوتیں

عشرت بلقیس، کراچی

- بعض اوقات فاصلے دوستی کو گہرا کرتے ہیں اور جُدائی لذّت بخشتی ہے۔ (عربی کہاوت)
- تعریف گالیوں کی بنیاد ہے۔ (جاپانی کہاوت)
- کوئی شخص اپنی صلاحیتوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا جب تک انھیں بروئے کار نہ لائے۔ (لاطینی کہاوت)
- ہر اُفتاد سچّائی کی طرف رہ نُمائی کرتی ہے۔ (چینی کہاوت)
- جو شخص علم کی تلاش میں نکلا وہ گویا واپسی تک اللہ کی راہ پر چلتا رہا۔ (حدیث نبویؐ)
- نصیحت ایسی چیز ہے جس کی عقل مندوں کو ضرورت نہیں اور بے وقوف قبول نہیں کرتے۔ (عربی کہاوت)
- چار باتیں دھیان میں رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ مقصد پر دھیان رکھیے۔ وسائل اپنا خیال آپ کرلیں گے۔

۲۔ عمل پر دھیان رکھیے۔ نتائج اپنا خیال آپ کرلیں گے۔

۳۔ سیرت پر دھیان رکھیے۔ شکل وصورت اپنا خیال آپ کرلیں گے۔

ماں کا پرس

محمد علی ارشد، کراچی

آج جب ڈیوڈ، جان سے ملا تو اس نے دیکھا

کہ جان کچھ زیادہ ہی خوش ہے۔ ڈیوڈ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ جان ایک لولی پوپ چوس رہا ہے۔ ڈیوڈ نے پوچھا، "تم نے یہ لولی پوپ کہاں سے خریدا؟" جان نے جواب دینے کے بجائے ہاتھ جیب سے نکالا جس میں پورا ایک پیکٹ لولی پوپ سے بھرا ہوا تھا۔ ڈیوڈ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اُس نے کہا، "یہ سارے لولی پوپ یقیناً تمھارے ابا نے تمھیں کسی کام پہ خوش ہو کر دیے ہوں گے۔"

جان نے کہا، "نہیں، یہ بات نہیں، پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات کسی کو بتاؤ گے نہیں، تو پھر میں تمھیں ساری بات بتا دوں گا۔" ڈیوڈ نے وعدہ کر لیا۔

جان نے بتایا، "آج جب میری امی باورچی خانے میں تھیں۔ میں نے ان کے کھلے ہوئے پرس میں سے پانچ رُپے کا نوٹ نکال لیا۔" ڈیوڈ زور سے چلایا، "اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تم نے چوری کی ہے۔"

جان نے کہا، "پاگل! یہ بھی کوئی چوری ہوئی۔ یہ تو میری اپنی امی ہیں، غیر تھوڑی ہیں۔" شاید ڈیوڈ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ جتنی دیر تک دونوں کھیلتے رہے، ڈیوڈ کے دل میں لولی پوپ حاصل کرنے کی خواہش مچلتی رہی۔ جب وہ کھیل کُود کر گھر آیا تو اُس نے پکا ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ پانچ کا نوٹ ضرور حاصل کرے گا۔ جب وہ اپنی امی کو ڈھونڈتا ہوا باورچی خانے پہنچا تو امی وہاں بھی نہیں تھیں اور اُن کا پرس کُھلا ہوا تھا۔ وہ اپنی خواہش کو نہ دبا سکا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ پرس کے اندر رینگتا چلا گیا۔ اور جب ہاتھ باہر نکلا تو پانچ کا نوٹ ہی ہاتھ میں تھا۔ ابھی وہ نوٹ کو جیب میں رکھ بھی نہ پایا تھا کہ باورچی خانے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ پرس سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا اور جتنی معصومیت اپنے چہرے پر لا سکتا تھا لے آیا۔ ماں جب باورچی خانے میں داخل ہوئی تو اس نے ڈیوڈ کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر پوچھا، "کیوں ڈیوڈ! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" ڈیوڈ بوکھلا گیا، "نہیں میں تو کچھ نہیں کر رہا ہوں۔"

امی نے کہا، "اگر کچھ نہیں کر رہے ہو تو جا کر سو جاؤ۔" ڈیوڈ بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ایک کتاب اٹھائی اور پڑھنی شروع کی۔ یہ کتاب ایک ایسے لڑکے کے بارے میں تھی جس نے ایک خراب کام کیا تھا۔ مگر جب اس کے ضمیر نے ملامت کی تو اس نے اپنے ابا کے پاس جا کر معافی مانگ لی اور انھوں نے اسے معاف کر دیا۔ کتاب تو اس نے رکھ دی مگر اس کا سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا۔ اس نے اپنے ضمیر سے سوال کیا، "اگر میں اپنی امی کو یہ رُپے لوٹا دوں اور معافی مانگ لوں تو کیا وہ اور خدا مجھے معاف کر دے گا؟" ضمیر نے "ہاں" میں جواب دیا۔ ڈیوڈ دوڑتا ہوا امی کے پاس گیا اور چُرایا ہوا نوٹ ماں کو دے کر اُن سے معافی مانگ لی۔ ماں نے معافی مانگنے کے صلے میں اسے وہ پانچ کا نوٹ انعام میں دے دیا۔ اس رات وہ خوب گہری نیند سویا کیوں کہ آج اس نے بُرے کام کو چھوڑ کر نیک کام کیا تھا۔

پیغام

مرسلہ: اطہر شفیق، کراچی

دِیے سے دِیا تم جلاتے چلو
جہالت کے پردے ہٹاتے چلو
دلوں سے کدُورت کی ظلمت مٹے
محبّت کی شمعیں جلاتے چلو
عزائم ہوں پختہ تو ہنس کھیل کر
مصائب کو دل سے لگاتے چلو
نئے دَور کے ہیں تقاضے نئے
نئی راہ سب کو دکھاتے چلو
مرے آسماں کے ستارو اُٹھو
یہ پیغام گھر گھر سُناتے چلو

مَری یاد آتا ہے

فہیم الدین احمد، راولپنڈی

ہم تینوں نے جُھک کر زمین پر سے ایک ایک خودرو پھُول توڑ کر اپنے کوٹ کے کالروں میں لگایا اور بس میں جا بیٹھے۔ بس چل پڑی۔ گل مُہر اور چیڑ کے درختوں کی شاخیں جھُوم رہی تھیں۔ بھینی بھینی خوش بُو آ رہی تھی۔ مَری پیچھے تھا اور راولپنڈی آگے۔

یہ بات مئی کی ہے۔ جب میرے دو دوست میرے گھر آئے۔ ایک کراچی سے اور دُوسرا لاہور سے۔ دونوں نے بتایا کہ وہ صرف مَری کی سیر کرنے آئے ہیں۔

ہم راجا بازار کے بس اسٹینڈ پر جا پہنچے۔ بس تیار تھی۔ ٹکٹ لیے اور بس میں سوار ہو گئے۔ بڑی سخت گرمی تھی۔ لوگ پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ خدا خدا کر کے بس چلی اور راول پنڈی کی سڑکوں سے گزر کر مَری روڈ پر دوڑنے لگی۔ سرسبز باغوں کھیتوں اور بستیوں سے گزر کر بس جوں ہی پہاڑوں کی طرف مُڑی، ہوا کے خوش گوار جھونکے آنے لگے۔ اب پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہو چکی تھی۔ قدم قدم پر خطرناک موڑ تھے۔ وادیاں اور پہاڑ سرسبز ہونے لگے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پہاڑی بستیوں میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے مکان عجیب دل کش منظر پیش کر رہے تھے۔

آخر ڈھائی گھنٹے کے بعد بس کمپنی باغ پہنچی۔ یہاں ایک قدرتی چشمہ ہے۔ چند ریستوران بھی ہیں۔ یہاں اُتر کر ہم نے چائے پی اور قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہوتے۔ یہاں سے مری پانچ میل دور ہے۔ پہاڑیوں پر چیڑ اور دیار کے درخت عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ کوئی ۳۰ منٹ بعد ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔

میرے دوست بڑے حیران تھے کہ پاکستان میں بھی اتنی خوب صورت جگہ ہو سکتی ہے۔ ہمارا یہ سفر باتوں اور گپّوں میں گزرا۔ آخر کار ہماری بس بل کھاتی، بے شمار چشموں سے گزرتی اور بلندیوں کو پھلانگتی ہوئی

مُری جا پہنچی۔ مُطلع اَبر آلود تھا۔ ہم نے جلدی جلدی سامان اُتارا اور ہوٹل کی طرف بھاگے تھے کہ بوندا باندی شروع ہوگئی اور ہوٹل پہنچتے پہنچتے ہمارے کپڑے بھیگ گئے۔ جب بارش رُکی تو ہم باہر آئے چھٹے بادلوں میں سے آنے والی سنہری دُھوپ کے ٹکڑے سبز وادیوں میں اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔

مُری ایک بہت ہی خوب صُورت جگہ ہے۔ سڑکیں صاف ستھری ہیں۔ موسم کی رنگینی دل فریب ہے۔ مناظر کی دل کشی دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے تقریباً سات ہزار فیٹ بلند ہے۔ موسمِ گرما میں ملک کے گوشے گوشے سے لوگ آکر یہاں کی رونق میں اِضافہ کرتے ہیں۔ سردیوں میں یہاں برف باری ہوتی ہے۔ اس لیے اس موسم میں بہت کم لوگ آتے ہیں۔ صرف مقامی لوگ نظر آتے ہیں۔ مری میں ہم نے چار روز قیام کیا اور خوب سیر کی۔ ہم مُری کے ہر حصے میں پہنچے، کشمیر پوائنٹ اور پنڈی پوائنٹ کے دل فریب مناظر سے خوب لُطف اُٹھایا۔ سب سے زیادہ رونق مال روڈ پر تھی۔ مال روڈ مُری کی جان ہے۔ خوب صورت آراستہ دکانیں، بارونق ریستوران اور لوگوں کا ہجوم۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے تمام لوگ یہاں آگئے ہیں۔ حُسن و رعنائی سے بھرپور پہاڑیاں عجیب طلسماتی نظارہ دکھاتی نظر آتی ہیں۔ بل کھاتی حسین شاہ راہیں اور درختوں کی چھاؤں میں لیٹی یہ سڑکیں سیاحوں کے قہقہوں سے گونجتی رہتی ہیں۔

جس دن ہمیں واپس آنا تھا، ہم اُداس تھے۔ تمام وادی دُھوپ میں نکھری ہوئی تھی اور ہم بوجھل دل کے ساتھ بلندی سے میدانوں کی طرف رواں دواں تھے۔ مُری بہت یاد آرہا تھا۔ مُری بہت یاد آتا ہے۔

عقل مند بیوی

آفتاب احمد، راول پنڈی

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ وہ نہایت محنتی لیکن بے وقوف تھا۔ اس کے مقابلے میں اس کی بیوی نہایت چالاک اور ہوشیار تھی۔

ایک دفعہ کسان اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں میں سے ایک شیر نکل آیا اور کسان سے بولا "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھاری ان بیلوں کی جوڑی کو کھا جاؤں"۔ یہ سُن کر کسان دہشت زدہ ہوگیا، لیکن اسے اس بات سے کچھ حوصلہ ہوا کہ شیر صرف اس کے بیلوں کو کھانا چاہتا ہے۔ کسان نے ہمت کر کے شیر سے کہا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان بیلوں کی جوڑی سے ہل چلاؤں، شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے"۔

اس پر شیر یوں گرجا "میں بہتر جانتا ہوں کہ خدا نے مجھے کیا حکم دیا ہے"۔

یہ سُن کر کسان بہت مایوس ہوا، آخر اس نے شیر سے کہا، "میرے گھر پر ایک موٹی گائے ہے وہ میں آپ کے حوالے کر دوں گا۔ لیکن آپ میری ان بیلوں کی جوڑی کو نہ کھائیں۔"

شیر نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا، "اچھا گھر جاؤ اور موٹی گائے فوراً لے آؤ، لیکن بیلوں کی اس جوڑی کو یہیں چھوڑ جاؤ۔" میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں انھیں تمہارے آنے تک نہیں کھاؤں گا۔"

بے چارہ کسان دوڑتا ہوا گھر پہنچا۔ اس کی بیوی اسے دیکھ کر بہت حیران ہوئی۔ اس کے پوچھنے پر کسان نے جلدی جلدی اپنی بیوی کو شیر کا واقعہ سنایا اور کہنے لگا، "اگر مجھے دیر ہو گئی تو شیر بیلوں کی جوڑی کو کھا جائے گا۔ لیکن اس کی بیوی نے گائے لے جانے کی اجازت نہ دی اور کہا، "اگر تم نے گائے دے ڈالی تو میں گھی کیسے بناؤں گی؟"

کسان نے کہا، "مجھے معلوم ہے کہ گھی سے زیادہ روٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر میں کھیتوں میں ہل نہیں چلاؤں گا تو گندم کیسے اُگے گا؟"

جب اس کی بیوی نے صاف انکار کر دیا تو اس نے کہا کہ وہ کوئی ترکیب سوچے۔

کسان کی بیوی نے کہا، "اچھا۔ یہ مجھ پر چھوڑ دو تم کھیت واپس جاؤ اور شیر سے کہو کہ میری بیوی گائے لا رہی ہے۔"

اب کسان کی بیوی نے اپنے خاوند کے بہترین کپڑے پہنے۔ سر پر ایک پگڑی باندھی اور گھوڑے پر سوار ہو کر کھیت کی طرف چلی۔ جب وہ شیر کے قریب پہنچ گئی تو زور زور سے کہنے لگی،

"میں ایک زندہ شیر کھانا چاہتا ہوں، شیر کا گوشت نرم اور لذیذ ہوتا ہے۔ کل میں نے ہڈیوں سمیت پورے تین شیر کھائے۔ اور مجھے یقین ہے کہ مجھے آج بھی ایک چھوٹا سا شیر مل جائے گا۔" شیر نے جب یہ سنا تو وہاں سے بھاگ نکلا۔ راستے میں اُسے ایک گیدڑ ملا۔ اس نے پوچھا، "حضور معاملہ کیا ہے؟"

شیر نے کہا، "یہاں ایک خون کا پیاسا شیر کو کھانا چاہتا ہے۔"

گیدڑ نے کہا، "جناب وہ تو کسان کی بیوی ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو اُس کے لمبے لمبے بال دکھاؤں گا۔"

ادھر شیر کی بزدلی پر میاں بیوی ہنس رہے تھے۔ کہ گیدڑ کے ساتھ شیر کو آتا دیکھا تو کسان کا رنگ زرد پڑ گیا اور اُس نے کہا، "اب ہم دونوں کو شیر کھا جائے گا۔" اس پر اس کی بیوی نے کہا، "فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ سیدھے گیدڑ کے پاس گئی اور کہا، "شکریہ، گیدڑ صاحب! آپ میرے لیے شیر کا اچھا تحفہ لائے ہیں۔ میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ کیا صرف ایک ہی شیر لائے ہیں؟" شیر نے جب یہ سُنا تو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس طرح بیوی کی عقل مندی سے کسان کے بیلوں کی جوڑی بچ گئی۔

بھائی بھلکڑ

طارق اشتیاق خان۔ کراچی

دوست ہیں اپنے بھائی بھلکڑ
باتیں ساری اِن کی گڑبڑ

راہ چلیں تو رستہ بھولیں
بس میں جائیں تو بستہ بھولیں

ریل میں جب یہ حضرت بیٹھے
پہنچے چار اسٹیشن آگے

ٹوپی ہے تو جوتا غائب
جوتا ہے تو موزہ غائب

پیالی میں ہے چمچہ اُلٹا
پھیر رہے ہیں کنگھا اُلٹا

نوٹ پڑیں گے چلتے چلتے
چونک اُٹھیں گے بیٹھے بیٹھے

سودا لے کر دام نہ دیں گے
دام دیئے تو چیز نہ لیں گے

خدا غرور سے بچائے

محمد اکرم، کراچی

بلند بانگ دعوے کرنا، جھوٹی باتیں کرنا اور بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا، خدا اور انسان دونوں ہی کو ناپسند ہے۔ دنیا میں ہر قسم کے انسان بستے ہیں۔ امیر بھی غریب بھی۔ دُکھی بھی اور مست بھی اور کچھ لوگ

ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں اپنی جھوٹی عزت بنانے اور خود کو دوسرے سے بلند کرنے ہی کا کام آتا ہے۔ وہ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ ہوتے ہیں۔

ایسے ایک صاحب ہمارے محلّے میں رہتے ہیں۔ ان کا نام تو ہم آپ کو بتائیں گے نہیں۔ البتہ چوں کہ وہ اپنے آپ کو ہر معاملے میں خود مختار اور با اختیار سمجھتے ہیں، اس لیے ان کا نام فرض کر لیجیے "اختیار" ہے۔ شکل سے کوئی معروف آدمی نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک عدد چشمہ اپنی علمیت ظاہر کرنے کے لیے لگا رکھا ہے (ویسے ان کی نظر کچھ زیادہ ہی تیز ہے) لمبا چوڑا قد پایا ہے۔ دیکھنے میں ماؤنٹ ایورسٹ کے چھوٹے بھائی لگتے ہیں۔ میٹرک میں پڑھتے ہیں۔ دماغ ابھی سے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ ہم غریب ناچیز کی حیثیت ہی کیا ہے؟ وہ تو اپنے سے بڑے کو بھی بے وقوف کا خطاب دیتے ہیں۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ تنقید کرنا خوب جانتے ہیں۔ حوصلہ افزائی کے فن سے ناآشنا ہیں۔ انھی باتوں سے کیچھوٹے کیا بڑے سب ہی خائف رہتے ہیں اور ان کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ ہم نے آٹھویں کلاس میں خوب محنت کی اور پورے اسکول میں فرسٹ آئے۔ شامت نے ہم کو جو گھیرا تو میاں اختیار صاحب کے پاس شاباشی لینے پہنچ گئے، اپنے فرسٹ آنے کی خبر سنائی اور رزلٹ ہاتھ

میں تھما دیا، انھوں نے رزلٹ پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اور کسی قدر غرور سے بولے، "کیا فرسٹ آئے؟" اسے فرسٹ آنا کہتے ہیں؟ میاں جب ہم تمھاری کلاس میں پڑھتے تھے تو انگریزی اور حساب میں ہمیشہ پورے پورے نمبر لاتے تھے اور اب بھی لائیں گے۔ ہم حیران و پریشان چپ چاپ ان کی غرور سے تنی ہوئی گردن دیکھتے رہے اور واپس چلے آئے اور دل میں کہا، "یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں؟"

تھوڑے دنوں بعد ان کا بھی امتحان شروع ہوا۔ ان دنوں ان کا حال دیکھنے کے قابل تھا۔ بال بکھرے ہوئے، گریبان کھلا ہوا، چال میں لڑکھڑاہٹ اور چشمہ ناک کے سرے پر دھرا۔ یہ حال دیکھ کر ہم نے سوچا کہ وہ ضرور کوئی بڑا تیر ماریں گے، مگر جب رزلٹ آؤٹ ہوا تو پتا چلا کہ تیر تو انھوں نے اپنی عزت پر مارا ہے۔ وہ دو پرچوں یعنی انگریزی اور حساب میں فیل ہوئے جن میں (بقول اختیار صاحب) پورے نمبر لایا کرتے تھے، چناں چہ انھوں نے دوبارہ امتحان دیا مگر نتیجہ وہی ہوا۔ تنگ آ کر پڑھنا چھوڑ دیا۔ گھر سے باہر نکل کر ڈینگیں مارنے اور لوگوں پر رعب جمانے کی عادت ترک کر دی۔ سچ ہے کہ آدمی کو غرور نہیں کرنا چاہیے۔ جھوٹا ڈھونگ نہیں رچانا چاہیے۔ حقیقت کو نہیں چھپانا چاہیے کیوں کہ خدا تو حقیقت سے آگاہ ہے۔

یہ بچّے

شگفتہ ناز، سرگودھا

میری سہیلی شاہین جذباتی انداز میں کہہ رہی تھی، "بچے قوم کا سرمایہ ہیں، بچے قوم کے معمار ہیں، بچے قوم کی امانت ہیں۔" اس کی یہ جذباتی گفت گو سُن کر میرے ذہن کے گوشے میں یہ سوال اُبھرا۔ کون بچے؟ وہ جو بھکاریوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں اور جن کے چہروں پر مکھیاں بھنبھناتی رہتی ہیں؟ یا وہ بچے جو اُجلی یونی فارم پہنے کسی انگریزی اسکول کی جانب اسکول کی بسوں یا عالی شان کاروں میں جاتے ہیں؟۔ وہ بچے جن کے سر چھپانے کی جگہ کھلے آسمان کی چھت ہوتی ہے یا وہ بچے جو بڑی بڑی بلڈنگوں اور آراستہ فلیٹوں میں رہتے ہیں؟۔ وہ بچے جو جاڑے کی یخ بستہ راتوں میں ہاتھ پیر سکیڑے ایک ٹھٹھری کی مانند فٹ پاتھ کے کسی کونے میں پڑے ہوتے ہیں یا وہ بچے جو نرم گرم کمبلوں اور لحافوں کے اندر دبکے ہوتے ہیں۔

میں اور میری سہیلی چھٹی کے بعد گھر واپس آ رہے تھے کہ ایک نو سالہ بچے کی آواز "بی بی جی! ایک پیسہ" نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ٹرین کے حادثے نے اس کے والدین کو اس سے جُدا کر دیا ہے۔ پہلے وہ کسی اسکول میں پڑھتا تھا اب بھکاری بن گیا ہے۔ ہم دو قدم آگے بڑھے تو ایک

عورت نے دستِ سوال دراز کیا۔ اس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ پتا چلا کہ بچے کا باپ کچھ ہی دن ہوتے مرا ہے اور اب وہ بھیک مانگ کر اپنے بچے کی پرورش کر رہی ہے۔ کچھ اور آگے بڑھے تھے کہ ایک پاگل عورت دو چھوٹے بچوں کو لیے فٹ پاتھ پر پڑی تھی۔ اس کے سامنے چند سکّے بکھرے ہوئے تھے۔ میرا دل سوال کر رہا تھا کہ کیا یہ بچے یوں ہی ساری عمر بھیک مانگتے رہیں گے؟ — یہ کالے کلوٹے ننگ دھڑنگ بچے کسی کی ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں؟ — ہر سال یومِ اطفال کیوں منایا جاتا ہے؟ لاکھوں رُپوں کے ٹکٹ کس لیے بیچے جاتے ہیں۔ یتیم خانے اور دوسرے ادارے ہر سال چندہ، زکوٰۃ اور فطرے کی شکل میں رُپے وصول کرتے ہیں۔ کیوں؟ — آخر کس کی خاطر؟ یہ مسئلہ تو پوری قوم کا ہے۔ اس کو حل کرنا ہم سب کی ذمّے داری ہے، جن قوموں کو مستقبل کی فکر ہوتی ہے وہ ضرور اس کا حل تلاش کر لیتی ہیں۔ میں اس کا کیا جواب دوں کہ میری قوم کو مستقبل کی کتنی فکر ہے؟

نیک دل لکڑہارا

شعیب حسین صدیقی، کراچی

ایک شہر میں ایک غریب لکڑہارا رہتا تھا۔ دن بھر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر وہ شہر لاتا اور بازار میں بیچ دیتا۔ ان پیسوں سے وہ ضرورت کی چیزیں خریدتا اور کچھ پیسے بچا کر ایک فقیر کو دے دیتا۔ اس کی بیوی اس کی اس عادت سے ناراض رہتی تھی۔ وہ کہتی تھی "فقیر کو پیسے کیوں دیتے ہو؟" لکڑہارا جواب میں کہتا "دیکھو جو پیسے ہماری ضرورت پوری ہونے کے بعد بچ جاتے ہیں وہ میں فقیر کو دے دیتا ہوں۔"

لکڑہارا بڑا رحم دل انسان تھا۔ ایک دن جنگل میں اسے آم کا ایک ننھا سا پودا نظر آیا۔ اس نے اسے پانی دیا اور کیاری بنا دی۔ وہ روزانہ اُسے پانی دیتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ پودا درخت بن گیا اور پھر ایک دن اس میں آم لگ گئے۔ لکڑہارے نے آم توڑے اور انھیں بیچنے کے لیے بازار پہنچا۔ اسے آم کے داموں کا اندازہ نہیں تھا۔ دوسرے آم بیچنے والے اُسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ آخر ایک آم والے نے اس سے پُورے آم سستے داموں خرید لیے۔ پیسے لے کر لکڑہارا بہت خوش ہوا۔ ان پیسوں سے اُس نے کچھ سامان خریدا اور ایک چھوٹی سی دکان لگا لی۔ اس کا لڑکا مدرسے سے آ کر دکان کھول لیتا۔ اس طرح اس کی آمدنی بڑھ گئی۔ اب اس کی بیوی بھی فقیر کو خیرات دینے لگی۔ لکڑہارے کا لڑکا، جس کا نام طاہر تھا بڑا محنتی تھا۔ وہ دل لگا کر پڑھتا بھی تھا۔ ایک روز بادشاہ کے آدمی آئے اور ان دونوں کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ لکڑہارا پہلے تو بڑا پریشان ہوا مگر جب بادشاہ نے ان دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ مطمئن ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے بتایا کہ وہ طاہر کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے۔ یہ سُن کر لکڑہارا ہکّا

گیا اور اس نے کہا "آپ کا ہمارا جوڑ کہاں؟"

بادشاہ نے کہا "میں آپ لوگوں کی اچھی عادتوں کی قدر کرتا ہوں، آپ لالچی انسان نہیں ہیں۔ میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔ میں نے برسوں آپ سے بھیک پائی ہے۔ دراصل میں فقیر کا روپ بدل کر شہر کا حال معلوم کرتا تھا۔" لکڑہارا یہ سن کر دنگ رہ گیا اور یوں ایک دن اس کے بیٹے کی شادی بادشاہ کی لڑکی سے ہوگئی۔

مکھی

محمد احمد خان، راول پنڈی

میں ننھی منی مکھی ہوں
سچ پوچھو اللہ رکھی ہوں

میں سب سے محبت کرتی ہوں
ہر ایک کے سر پر چڑھتی ہوں
ہر ستھری چیز سے ڈرتی ہوں
ہر گندی چیز پہ مرتی ہوں
جو بچے گندے مندے ہوں
اور جن کے گندے دھندے ہوں

وہ میرے پیارے ہوتے ہیں
ہم ان کے وارے ہوتے ہیں

میں لاکھوں بچے دے دے کر
اور ان کو غچے دے دے کر
دنیا کا ہر دکھ سہتی ہوں
اور پھر بھی زندہ رہتی ہوں

احسان کمیٹی والوں کا
احسان ہے گندے نالوں کا
میں ننھی سی اک مکھی ہوں
سچ جانو اللہ رکھی ہوں

(ہمدرد نونہال، جولائی ۱۹۷۰ء)

دیس دیس کے ٹکٹ

ایم ادریس آدم غازی، کراچی

ریڈ کراس کا صد سالہ جشن:

ریڈ کراس یا ہلال احمر کا ادارہ خدمت خلق کا سب سے بڑا عالمی ادارہ ہے جس کی شاخیں تقریباً تمام ملکوں میں قائم ہیں۔ یہ ادارہ بے لوث خدمت اور تعاون کے ذریعے انسانی بھلائی کے کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ حکومتِ پاکستان نے ۲۵ جون ۱۹۶۳ء کو ہلال احمر کے سو سالہ جشن کے سلسلے میں ایک یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ اس یادگاری ٹکٹ کا سائز ۳۴ × ۳۸/۶ ملی میٹر ہے۔ ان ٹکٹوں کی کل تعداد دس لاکھ ہے۔ پاکستان کی سیکورٹی پریس کارپوریشن نے اس کا ڈیزائن تیار کیا اور اشاعت کا کام ڈائریکٹر جنرل پوسٹ آفس کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ ہلال احمر کی سو سالہ برسی کا نشان درمیان میں سبز سرمئی رنگوں میں ہے اور اس پر ۱۹۶۳ - ۱۸۶۳ (سرخ رنگ میں) لکھا ہے۔ انگریزی میں لفظ پاکستان ٹکٹ کے نچلے کنارے پر افقی حالت میں تحریر ہے۔ دائیں طرف اردو میں پاکستان کا لفظ عموداً لکھا گیا ہے۔ پاکستان میں اس ادارے کی شاخ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قائم ہوئی اور قائداعظم

اس سوسائٹی کے پہلے صدر چُنے گئے

هنگری :

ہنگری نے آٹھ ٹکٹوں کا ایک سیٹ (ہنگرین اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف زولوجی) کے بارے میں جاری کیا۔ مسٹر پال وانگا نے ان ٹکٹوں کا نمونہ تیار کیا ہے اور یہ بوڈاپسٹ پریس میں چھاپے گئے۔ ان ٹکٹوں کی تعداد ۱۶ لاکھ پچاس ہزار ہے۔

نائیجیریا :

یکم جون ۱۹۶۹ء کو نائیجیریا نے مختلف ٹکٹ جاری کئے۔ ان کی قیمتیں علی الترتیب ہیں۔ یہ ٹکٹ نائیجیریا کی حکومت نے تیار کیے مگر سرکاری طور پر ان کا اجرا نہیں کیا گیا، بلکہ لاگوس کے فلیٹیلک بیورو میں یہ ٹکٹ خرید و فروخت کے لیے پیش کیے گئے۔

پیرو : ۱۴ اگست ۱۹۶۹ء کو عالمی ادارہ صحت (WHO) کے بارے میں جاری کیے جانے والے دو ٹکٹ ویانا میں لیتھوگرافی میں چھاپے گئے ہیں۔ ہر شیٹ میں ۵۰ ٹکٹ ہیں اور ان کی کل تعداد پانچ لاکھ ہے۔

ایران : ۱۹ نومبر ۱۹۶۹ء کو ۶ ریال کا ایک عدد ٹکٹ مواصلاتی سیارے کے اسٹیشن کے بارے میں جاری کیا گیا۔ یہ اسٹیشن اسدآباد میں ہمدان کے نزدیک واقع ہے۔

پولینڈ : ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو ۲/۵ زیڈ ایل کا ایک ٹکٹ "اپالو-۱۱" کے بارے میں جاری کیا گیا جس پر اپالو گیارہ کی قمری گاڑی کو چاند پر اترتے ہوئے اور دو خلا بازوں کو چاند کی سطح پر چلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

ان کی کل تعداد تیس لاکھ ہے۔ اس کے علاوہ ایک سووینیر شیٹ بھی جاری کی گئی جس میں آٹھ آٹھ ٹکٹ ہیں۔ یہ تمام ٹکٹ مختلف رنگوں میں آفسٹ پر چھاپے گئے ہیں اور ان کی کُل تعداد ۳۸۹۰۰۰ ہے۔

آسٹریلیا :

۱۷ ستمبر ۱۹۶۹ء کو ۴ ٹکٹ بنیادی صنعت کے بارے میں جاری کیے گئے جن کی قیمتیں علی الترتیب ۷، ۱۵، ۲۰ اور ۲۵ سینٹ ہیں۔ ان چاروں ٹکٹوں کا نمونہ رابرٹ انگپسن نے تیار کیا ہے۔ آسٹریلیا کی ریزرو بینک نے مختلف رنگوں میں ان ٹکٹوں کی طباعت کروائی اور محکمۂ ڈاک اسے متواتر چھ ماہ تک فروخت کرتا رہا۔

آسٹریا :

۱۸ اگست ۱۹۶۹ء کو ۳/۵۰ ڈالر کا ایک ٹکٹ بیرونی ملکوں میں مقیم آسٹروی باشندوں کے بارے میں جاری کیا گیا۔ اس کا نمونہ پروفیسر کلینز ہولین نے تیار کیا۔ یہ ٹکٹ دو مختلف رنگوں میں آفسٹ پر چھاپے گئے۔ اس کے علاوہ ۲ ڈالر کا ایک ٹکٹ بین الاقوامی مزدور تنظیم (I.L.O.) (۱۹۱۹-۱۹۶۹) کی پچاسویں برسی کے سلسلے میں جاری کیا گیا

سری لنکا :

یکم جولائی ۱۹۶۹ء کو ۵ رُپے کی مالیت کا ایک عدد ٹکٹ پروگرام کے مطابق جاری کیا گیا۔ اس کا نمونہ البرٹ دیہر ہاسری نے تیار کیا تھا۔ اس میں ایک لڑکی کو چاول کے کھیت میں کام کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ یہ ٹکٹ چار مختلف رنگوں میں جاری کیا گیا۔ ہر شیٹ میں سو ٹکٹ ہیں۔ نیز کولمبو

..

میڈیکل اسکول کے صد سالہ جشن (۱۸۷۰ء-۱۹۷۰ء) کے سلسلے میں ۴۵ سینٹ کا ایک یادگاری ٹکٹ تین رنگوں میں چھاپا گیا۔

جرمنی: ۷ جنوری ۱۹۷۰ء کو ایک ٹکٹ ۲ الف بی کا تھیوڈار فونٹیم کے بارے میں جاری کیا گیا۔ تھیوڈار فونٹیم شاعر، ادیب اور ایک اچھا ناول نگار تھا۔

گیمبیا: ۱۵ دسمبر ۱۹۶۹ء کو جنوبی امریکا سے ہوائی رابطہ قائم ہونے کے سلسلے میں ۳ ٹکٹ جاری کیے گئے۔ ان ٹکٹوں کا نمونہ ایل ٹی کروش نے تیار کیا تھا اور یہ ٹکٹ لیتھوگرافی پر چھاپے گئے۔

کامیاب مُہم

عثمان عزیز بلگرامی، کراچی

جب جرمنی نے تیزی کے ساتھ برطانیہ کی جانب پیش قدمی کی تو حکومت برطانیہ کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ جرمن برطانیہ فتح کر لیں گے، کیوں کہ جرمن افواج کے مقابلے میں وہ ایسا تھا جیسے ہاتھی کے آگے چیونٹی۔ جرمن افواج جدید اسلحہ سے لیس تھیں، چناں چہ جرمنوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کے ہیڈ کوارٹر کو جو برلن سے چالیس میل دور تھا، تباہ کر دیا جائے۔ اسی منصوبے کے تحت مسلح امریکی چھاتہ بردار کمانڈوز کو جرمنی میں اُتارا گیا۔ انھیں اتوار کے روز نو بجے سے پہلے ہیڈ کوارٹر تباہ کرنا تھا تاکہ انھیں ہیلی کوپٹر سے واپس اوپر اٹھا لیا جائے۔ مہم کے سربراہ کپتان جان بروکس تھے۔ ان کے تحت دو لیفٹیننٹ تھے جن کے نام جم اور آرتھر تھے۔ تینوں کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اس جنگ کی فتح و شکست کا دار و مدار ان ہی پر منحصر ہے۔

کپتان جون نے چاروں طرف اپنی نظریں دوڑائیں۔ وہ ایک گھنے جنگل میں کھڑا ہوا تھا۔ انھیں ایک ہفتے پہلے رات تین بجے یہاں ڈراپ کیا گیا تھا۔ اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بیدار کیا۔ پھر ساتھ لائے ہوئے بند ڈبوں میں سے خشک گوشت اور پھلوں کے رس سے ناشتہ کیا۔ خالی ڈبے زمین میں دبا دیے اور نقشہ نکال کر راستے کا تعین کرنے چل پڑے۔

دس میل چلنے کے بعد وہ ایک ویران اور ٹوٹی ہوئی سڑک پر نکل آئے جس کے دونوں جانب گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ایک جگہ رُک کے جم نے نقشہ نکالا اور سب نقشہ پر جھک گئے۔

جم نے کہا: "یہ وہی وہ سڑک جس پر ہم کھڑے ہیں۔ دو میل آگے دو اور سڑکیں ہیڈ کوارٹر جاتی ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہم کسی گاڑی کا بندوبست کریں کیوں کہ ہم ۳۰ میل پیدل ہرگز نہیں چل سکتے۔"

"مگر اتنی دُور ہمیں ڈراپ کرنے کا مقصد کیا تھا؟" آرتھر جھنجھلا کر بولا۔

"ہو گی کوئی مصلحت۔" جم بولا، "بہرحال ہمیں مارچ شروع کر دینا چاہیے۔ اگر کوئی گاڑی والا آئے تو اس سے نپٹ لیں گے۔"

انھیں نقشے کی مدد سے چلتے ہوئے تین دن ہو گئے تھے مگر بدنصیبی سے کوئی گاڑی اُدھر سے نہ گزری۔ تیسرے دن شام کو وہ تھکے ہارے مایوس چلے رہے تھے کہ اچانک جم نے دُور سے گاڑی آتے دیکھی۔ یہ فوجی گاڑی تھی۔ پروگرام کے مطابق آرتھر سڑک کے درمیان میں جا کر لیٹ گیا۔ کار میں سے ایک کرنل بکتا جھکتا باہر نکل آیا اور اس نے قریب جا کر آرتھر کے دل پر ہاتھ رکھا کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ وہ جھکا ہی تھا کہ آرتھر نے اُلٹے ہاتھ کا گھونسا اس کے مُنھ پر مارا۔ کرنل دُور جا پڑا۔ اس سے پہلے کہ کرنل دوبارہ اٹھتا آرتھر نے ریوالور نکال لیا۔ ادھر دوسری طرف گاڑی میں بیٹھے ہوئے دو کرنلوں کو بھی قابو میں کر لیا گیا تھا۔ جون اور جم نے ریوالور دکھا کر دونوں کے کپڑے اتار لیے اور پھر اپنے کپڑوں کی پٹیاں پھاڑ کر ان کے ہاتھ پیر باندھ دیے۔ انھیں لمبی مدت کے لیے بے ہوشی کے انجکشن لگا دیے اور انھیں ایک ویران جگہ پر پھینک کر وہاں سے چل پڑے۔ اب وہ آرام سے اپنی منزل پر پہنچ سکتے تھے۔ دن بھر مسلسل سفر کرنے کے بعد وہ ایک ہوٹل میں ٹھیر گئے۔ انھیں کاغذات کے علاوہ کرنل کی وردی سے تین سو مارک بھی مل گئے تھے۔

ہفتے کے روز وہ اپنی منزلِ مقصود کے سامنے تھے۔ دُور دُور تک پہرا تھا۔ تینوں نے ایک پروگرام بنایا اور اپنے ساتھ ٹائی لے سائز کے دس ٹائم بم لیے اور اس عمارت کی طرف چل پڑے جہاں صرف ملٹری کے آفیسرز کھانا کھاتے تھے۔ ان کے پاس چوں کہ اصلی کاغذات تھے اس لیے تینوں کو کسی نے نہ روکا۔ واپسی پر انھوں نے منھ پونچھنے کے نیپکن پھینکنے کے بہانے دس کے دس ٹائم بم پوری عمارت میں پھیلا دیے، وقت مقررہ پر ان کے پھٹنے سے عمارت کا نام و نشان بھی نہ رہتا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ تینوں جائیں کہاں۔ کرنلوں کے گھر تو انھیں معلوم نہیں تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک ہوٹل میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور بازار سے اپنے لیے کپڑے وغیرہ بھی لے آئے۔ ٹائم بم کو اسی رات دو بجے پھٹنا تھا اور ہیلی کوپٹر کو صبح سات بجے آنا تھا۔ چناں چہ وہ اسی شام اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ٹائم بم کے پھٹنے سے بیس میل کا علاقہ تباہ ہو سکتا تھا۔ رات دو بجے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہیلی کوپٹر کو واپس آنا تھا۔ رات کے ٹھیک دو بجے دس ہولناک دھماکے ہوئے اور چند لمحوں میں نازی غرور خاک میں مل گیا۔ صبح ہیلی کاپٹر انھیں لینے آ گیا۔ ائرپورٹ پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جون کو کپتان سے میجر اور دونوں لیفٹیننٹوں کو کیپٹن بنا دیا گیا۔ آج بھی امریکن فخر سے اس کارنامے کو دُہراتے ہیں۔

مئی ۱۹۷۰ء کے ہمدرد نونہال میں معلوماتِ عامّہ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے ان کے صحیح جوابات یہ ہیں :

۱۔ سن ہجری مورخہ ۱۶ جولائی ۶۲۲ عیسوی سے شروع ہوئی۔

۲۔ ٹیپو سلطان شہید کا اصل نام فتح علی ہے۔

۳۔ یونیسکو کا صدر دفتر پیرس میں ہے۔

۴۔ بیروت، لبنان کا دارالحکومت ہے۔

۵۔ رُپے کا سکّہ کئی ملکوں میں رائج ہے جن میں پاکستان، ہندستان، نیپال، بھوٹان، سری لنکا، انڈونیشیا شامل ہیں۔

۶۔ پاکستان میں تین کیڈٹ کالج ہیں جو (ا) حسن ابدال (ب) پٹارو اور (ج) کوہاٹ میں قائم ہیں۔

۷۔ رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ بلوچستان ہے جو ۱۳۴۰۵۰ مربع میل ہے اور رقبے کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ سرحد ہے جو ۲۸۷۳ مربع میل ہے۔

۸۔ کیرٹ (قیراط) جواہرات اور سونا تولنے کا پیمانہ ہے۔

۹ شہد کے چھتے کے ہر سوراخ میں چھ اطراف (SIDES) ہوتی ہیں۔

۱۰ دنیا کا سرد ترین مقام ورخویانسک (VERKHOYANSK) جنوب مشرقی سائبیریا (روس) میں واقع ہے جہاں درجہ حرارت صفر سے بھی ۹۰ درجہ کم ہوتا ہے۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

رحیم یار خاں

ملک عبدالجبار نجمی
محمد ادریس احمد

ٹوبہ ٹیک سنگھ

محمد شاہد ندیم
عبدالغفار
اعجاز اقبال

حیدر آباد

جاوید سرور
فہیم عادل صدیقی
آنسہ عظمیٰ انصاری
محمد شعیب انصاری

میرپور خاص

سلیم اختر قائم خانی
محمد نعیم ملک

خرم اقبال
محمد سلیم ملک
فرحت حسین
کریم النسا انجم
محمد عبدالخالق خان
محمد عبداللہ خان
محمد عبدالقادر خان

کراچی

گوہر خورشید صدیقی
جاوید سلیم اسمٰعیل
آنسہ رخشندہ متین
سید تسنیم ٹیپو جعفری
عاصم سرور قدوائی
احمد افضال
سید شہزاد علی

محمد مناف حبیب
عبدالقیوم ارائیں
شہزادہ صلاح الدین جعفر
آنسہ عالیہ فرحانہ ترنم
سید انوار العزیز
ساجد لطیف صدیقی
آنسہ ریحانہ عزیز
آنسہ دُردانہ تبسم
سید عبدالعزیز

متفرق مقامات

شہزاد علی پرانا سکھر
محمد جمیل تنولی، اسلام آباد
اعجاز احمد قریشی، جہانیاں
آفتاب اقبال گنگ

صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصویریں

الیس حیدر رضوی ٹھٹھہ

انیس کنول، کراچی

پرویز اختر، کراچی

عابدہ سلطانہ لکی، کراچی

سید محمد عاصم، کراچی

زاہدہ سلیمان، کراچی

سید معراج محمود، کراچی

ایس معراج، کراچی

آنسہ مہرافروز، لاہور

جاوید عثمانی، کراچی

سید اسماعیل، کراچی

خاور بیگ خاور، میرپور خاص

عبدالحفیظ خان، حیدرآباد

آصف حبیب، کراچی

محمد عثمان بلو، کراچی

سید نوید حسین، کراچی

محمد عارف مغل، لاہور

محمد غیاث الدین، کراچی

فرید الدین احمد قریشی، کراچی

محمد سیف الدین، کراچی

عبدالکریم قریشی، حیدرآباد

محمد اسحاق مغل، کراچی

محمد اقبال حسین، حیدرآباد

کھتری رحمت اللہ شاہین، حیدرآباد

محمد ذوالفقار ضیاء، لائلپور

محمد اویس خان شاداب، کراچی

محمد اقبال، کراچی

راحت وارث خان، کراچی

طارق سہیل، کورنگی کراچی

عمران احمد انصاری، کراچی

صادق سہیل کراچی | قمر سہیل ، کراچی | سید وہاج محمود، کراچی | محمد طاہر ، پرانا سکھر | محمد طارق اخوان، حیدرآ

پروین صادق، کراچی | محمد ساجد ، کراچی | قاسم علی قاسمی، کراچی | کھتری حبیب اللہ | محمد فاروق سہیل، کراچ

جمشید اختر ، کراچی | بابو عزیز الرحمن، نواب شاہ | محمد مشتاق، کراچی | ناصر محمود خان، حیدرآباد | محمد طاہر سبحانی، کراچی

قمر الاسلام ، کراچی | محمد اقبال ، کراچی | ضمیر احمد غوری، میرپور خاص | صفدر حسین، کراچی | شکیل احمد

مسعود عظیم ، کراچی | سید اظہر حسین زیدی، پرانا سکھر | سید مقبول احمد، کراچی | عابد لطیف | امیر علی، لطیف آباد

لیاقت راہی، میرپور خاص

محمد ناصر میر، نواب شاہ

جاوید اقبال

جاوید سرور، حیدرآباد

سید منہاج محمود، کراچی

مختار احمد برنی، پرانا سکھر

سید ضامن عباس جعفری، میرپور خاص

محمد ضیاء الحق، کراچی

عبدالستار عرف کاکا، راولپنڈی

جمیل الدین - کراچی

ایک غلط جواب بھیجنے والوں کے نام

رحیم یار خان

محمد انیس آزاد

ساجدہ عنبریں

نواب شاہ

محمد رفیق بھٹی

محمد اقبال غوری

جیکب آباد

عبدالعزیز کھٹہ

نصیر احمد شیخ شیدائی

ڈیرہ غازی خان

کامران کریم جسکانی

عرفان کریم جسکانی

شکارپور

دیپک راجا

اشوک کمار

لاڑکانہ

سید قمر اقبال

سید ظفر اقبال

سید ثمر اقبال

حیدرآباد

عابد حسین شیخ

فرح وزیر

بدر فیاض زبیری

سید جاوید حسین زیدی

آنسہ سائرہ اقبال

مختار احمد

راؤ احمد جاوید

افضل حسین شیخ

سکھر

جاوید خورشید

دل شاد خورشید

لیاقت خورشید

سلیم خورشید

عرفان خورشید

امجد خورشید

آنسہ غزالہ ناز

فرزانہ	سکھر محمد حنیف لاکھانی	آصف خان
عندلیب ناز	" شوکت حسین	حاجی منیر شاہ
عرفان علی بٹ	" محمد گل شیر	عمران حمید مرزا
زکا حسین کھوکھر	" شہزادہ نجیب الرحمان	طارق حمید
کراچی	محمد اشرف عبدالمجید	شگفتہ جبین
راجا شاہد رزاق	سید محمد نادر حنیف	عبدالمجید مرزا
محمد ہارون آرائیں	محمد حیدر	محمد اسلم ارائیں
جاوید رحمت	شریف الحق نعمانی	محمد رفیق حبیب
رفعت اقبال	محمد شہزاد ناصر	سلیمان فاروق
فرخ ارشاد	عرفان حمید مرزا	شفیق الرحمان کھوکھر
انور محمود انصاری	زاہد ظفر	ادریس آدم غازی
عامر حمید مرزا	انوار احمد	تنویر ناز
روبینہ جبار	توید ظفر مرزا	عبدالمالک قریشی
عامر متین	سید عمران علی	عامر ذکی
راشد حفیظ خان	عبدالوحید	محمد الناصر ادیب

جوابات۔ کیا آپ ان کے معنی جانتے ہیں؟

۱۔ ج۔ کامیاب	۷۔ ا۔ بزرگی	۱۳۔ ب۔ یقینی
۲۔ ب۔ حق چھیننے والا	۸۔ ج۔ غیرت رکھنے والا	۱۴۔ ا۔ مجبور
۳۔ ا۔ لگام	۹۔ ب۔ سوار	۱۵۔ ب۔ جنگل بیاباں
۴۔ ب۔ گروہ	۱۰۔ ا۔ حرکت کرنے والا	۱۶۔ ج۔ دھوکا، نظر بندی
۵۔ ج۔ دانائی	۱۱۔ ج۔ بد دماغ	۱۷۔ ا۔ بنیاد رکھنا
۶۔ ا۔ ظاہر ہونا	۱۲۔ ا۔ نشے میں چور	

حلقۂ دوستی

۱۶ سال سے زائد عمر کے نونہال فارم شائع ہونے کے لیے نہ بھیجیں۔ لڑکیاں اپنے فارم حلقۂ دوستی میں اشاعت کے لیے نہ بھیجیں۔

محمد عقیل احمد شاد
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: مطالعہ کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، پرانے سکے جمع کرنا۔
پتا: انچارج صدیقیہ لائبریری، داں بھچراں (میانوالی)

عابد حسن
عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: کرکٹ، ٹیبل ٹینس، ٹکٹ جمع کرنا
پتا: ملتان موٹرز لمیٹڈ، نواں شہر۔ ملتان

خان محمد یوسف خان
عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم
دل چسپیاں: ٹکٹوں کا تبادلہ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت احمد جنرل اسٹور، قائد اعظم مارکیٹ، واہ چھاؤنی

شبیر احمد قریشی
عمر: ۱۶ سال — تعلیم: میٹرک
دل چسپیاں: قلمی دوستی، نونہال پڑھنا۔
پتا: نقش بندی انجینئرنگ ورکس، ریلوے روڈ، دکان ۸، شعبہ بازار، پشاور

قمر عالم
عمر: ۱۳ سال — تعلیم: ہفتم
دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹ جمع کرنا
پتا: حافظ امام الدین، پاکستان فلور مل، اسٹیشن روڈ، شہداد پور

سید مبتسم حسین نقوی
عمر: ۱۲ سال — تعلیم: نویں
دل چسپیاں: جوڈو کراٹے، قلمی دوستی کرنا اور ٹکٹ جمع کرنا۔
پتا: ۱۶۱/او۔ کورنگی نمبر ۳، کراچی نمبر ۳۱

عدنان ارشد

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۲-۱۰۱/سی بلاک لے، نارتھ ناظم آباد- کراچی

سید محمد علی غالب

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، نونہال پڑھنا

پتا: ۱۳۹- پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی ۵

سیف اللّٰہ

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، فٹ بال کھیلنا۔

پتا: ڈبگری بازار، پشاور شہر

محمد آصف

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: چھٹی

دل چسپیاں: مطالعہ کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، کرکٹ کھیلنا۔

پتا: ۱۱ رحمت مینشن- اے ایم ۵ شاہراہ لیاقت کراچی ۱

عدنان حمید

عمر: ۹ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: ۹/۴۰ ڈی، میر توسیعی کالونی، کراچی ۳۷

مسعود محمود

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ، معلومات اور لٹریچر جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتا: آربی ۳/۷-۶- ذکریا منزل، شاہراہ لیاقت، کراچی

محمّد اقبال

عمر: ۹ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: کرکٹ، ہاکی، فٹ بال۔

پتا: ۳-۱ ایچ ۲۴/۸ ناظم آباد نمبر ۳، کراچی ۱۸

شیخ محمّد ایوّب

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹیں جمع کرنا۔

پتا: محمد علی بلڈنگ، حاجی امید علی روڈ- بکرا منڈی، حیدرآباد

خالد کریم قریشی

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا- مطالعہ کرنا۔

پتا: کرسٹل آٹو اسٹور، نیلا گنبد، بھیم سٹریٹ، لاہور

ظہیر الدّین بابر

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا ٹکٹ و سکّے جمع کرنا۔

پتا: راجہ ضیاء الدین احمد پرسنل اینڈ ویلفیر آفیسر پی ٹی سی جہلم

مُدَثّر حسن

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: اخبارات اور رسائل کا مطالعہ

پتا: محلہ رنگیتی چنیوٹ (پنجاب)

محمد انور

عمر: ۱۰ سال — تعلیم: پنجم

دِل چسپیاں: نونہال پڑھنا اور ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا ۱/۹ ایچ۔۱ ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ۱۸

ابراهیم مُصطفےٰ

عمر: ۹ سال — تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: مطالعہ کرنا، ہاکی کھیلنا، کتابیں جمع کرنا۔

پتا: ۵ اے ۵/۳۶، پاپوش نگر، کراچی

صغیر احمد

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: چھٹی

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا۔ نونہال پڑھنا۔ ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ۱ گلی نمبر ۱۲، غوثیہ مسجد، لانڈھی۔ کراچی

عثمان غنی لوہاری

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: ۳/۲۵۔ ڈرگ کالونی نمبر ۳۔ کراچی نمبر ۲۵

ناصر حمید

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، مطالعہ کرنا اور شطرنج کھیلنا۔

پتا: اے ۱۶/۵/۱۶ پی۔ اصغر مال روڈ۔ راولپنڈی

مُحمّد شبّیر

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، مغربی موسیقی۔

پتا: ۹ حبیب باغ، دھوراجی کالونی کراچی ۱۲

عمران الحق ملک

عمر: ۹ سال — تعلیم: چہارم

دِل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: ملک فضل حق، مکان نمبر 96/1442 اے۔ نزد مارکیٹ ٹاور حیدرآباد

علی محمد

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، فٹ بال کھیلنا۔

پتا: کلاس نہم اے، ماڈل ہائی اسکول۔ میر پور خاص۔

منویر احمد

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: ہاکی اور فٹ بال کھیلنا

پتا: ۵ سی ۲۰/۳/۔ ناظم آباد، پاپوش نگر، کراچی نمبر ۱۸

آنور سعید احمد قریشی

عمر: ۱۴ سال　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: پڑھنا۔ فٹ بال کھیلنا۔

پتا: کوارٹر نمبر ایف ۶۳۱۔ کورنگی نمبر ۴۔ کراچی

محمد شاہد محمود

عمر: ۱۴ سال　تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا۔ نونہال پڑھنا

پتا: ۱۸۳/۳۔ مسجد روڈ، بہار کالونی، کراچی نمبر

شہزاد حمید

عمر: ۱۴ سال　تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی، مطالعہ کرنا

پتا: ۔۔۔ بی۔ محلہ اسلام پورہ، کالج روڈ، راولپنڈی۔

مُحمّد فضل

عمر: ۱۴ سال　تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹ اور سکے جمع کرنا اور تبادلہ کرنا۔

پتا: گورنمنٹ کالج روڈ۔ امین آباد کالونی، کالی موری، حیدر آباد

عبدالعزیز مھٹی

عمر: ۱۷ سال　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: بزرگوں کے اقوال جمع کرنا۔

پتا: معرفت، طارق میڈیکل اسٹور، پتوکی، ضلع لاہور۔

ارشد محمود

عمر: ۱۲ سال　تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: ایم سی ہائی اسکول، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال

طاہر بخاری

عمر: ۱۲ سال　تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: اے ۶۸/ ایچ۔ نارتھ ناظم آباد، کراچی

حمید اقبال شاہ

عمر: ۱۶ سال　تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: قلمی دوستی

پتا: معرفت سید اقبال شاہ کیشئر، اٹک آئل کمپنی، مورگاہ، راولپنڈی

مظہر نور

عمر: ۱۶ سال　تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، معلومات

پتا: ڈی ۱۴/ بی۔ زیل پاک کالونی۔ حیدر آباد

غفار محمود

عمر: ۱۴ سال　تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: مکان نمبر ۲۲۹۔ کچا قلعہ مکی شاہ روڈ۔ حیدر آباد

حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا

جب نزلہ،
زکام یا فلو کا اثر ہو جائے تو

زیادہ محنت اور تھکاوٹ سے بچئے۔ قبض رفع کیجئے
بھیڑ بھاڑ اور ہجوم سے گریز کیجئے۔ گرد و غبار اور دھوئیں سے دور رہئے اور
بلا تاخیر سعالین استعمال کیجئے۔

سعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

جولائی ۱۹۷۷ عیسوی
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

کچھ مشروبات محض ذائقہ ہیں اور کچھ محض رنگ
لیکن رُوح افزا بہار کی طرح خوشگوار
اور تازہ جیسے پھول

رُوح افزا دنیا کے ہر مشروب سے مختلف اور برتر ہے جسم کے نظام حرارت و برودت میں توازن و اعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدت و تکلیف سے بچاتا ہے۔ ذائقہ، خوشبو، رنگ اور تاثیر میں کوئی مشروب اس کا ثانی نہیں۔ ۴۰ سال سے بے مثال اور مشرق و مغرب میں مقبول